فریب نظر
پلوشہ رحمٰن
URDU
NOVELS
COLLECTION
NOVELS
COLLECTION

فریبِ نظر

پلوشہ رحمٰن

ایک اہم بات

یہ میرا پہلا ناول ہے اور اس ناول میں شامل تمام شاعری میری اپنی تخلیق ہے؛ اسے کہیں بھی شیئر کرتے وقت ناول اور مصنفہ کا نام بطور حوالہ لازمی درج کریں۔

پلوشہ رحمٰن

ریل گاڑی سوہاوہ کے نزدیک آ کر آہستہ ہوئی تو کھڑکی کے باہر کہر کی دبیز چادر تن گئی۔ پلیٹ فارم کے پیلے بلبوں کے گرد روشنی کے ہالے بنتے، ٹوٹتے اور دھند میں گم ہو جاتے تھے۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز کبھی صاف سنائی دیتی، کبھی یوں لگتا جیسے دھند نے اسے راستے ہی میں دبا دیا ہو۔

سردیوں کی ڈھلتی شام تھی، سن 1991۔ پنجاب کے اس قصبے کے باہر ہوا پرانی کہانیوں کی طرح خاموش چلتی تھی، اور زمین گیلی خوشبو دیتی تھی۔

زہرہ نے چادر کا پلو درست کیا اور کھڑکی سے باہر دیکھا۔ سفر لمبا تھا، مگر طبیعت بوجھل نہیں تھی۔ اس کے اندر ایک ہلکی سی تازگی اور بے نام خوشی رواں تھی—وہ برسوں بعد اپنی کزن آرزو سے ملنے جا رہی تھی، جس کی شادی میں وہ شریک نہ ہو سکی تھی۔

ریل گاڑی رکی، دھات نے آخری چیخ سی لی اور دونوں بھائی بہن پلیٹ فارم پر اتر آئے۔ فضا میں بجھتی ہوئی آگ کی راکھ اور نم مٹی کی وہ سوندھی بو پھیلی تھی جو اکثر ویران اسٹیشنوں کا مقدر ہوتی ہے۔

بورڈ پر لکھا 'سوہاوہ' دھند میں یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے کسی نے حرفوں پر راکھ پھیر دی ہو۔

سمیر نے احتیاط سے اس کی طرف دیکھا—وہی مانوس خبرداری جو گھر کے بڑے بھائیوں کے حصے میں آتی ہے۔ اس نے پورٹر کو منع کیا اور خود سوٹ کیس اٹھا لیا۔

سوہاوہ میں ابھی تک کوئی منظم ٹیکسی سروس نہیں تھی، بس چوک یا اسٹیشن کے کنارے کچھ نجی گاڑیاں اور رکشے کھڑے ہوتے تھے، جو شہر یا قریبی قصبے تک لے جاتے تھے۔ لوگ کرایہ طے کر کے سوار ہو جاتے تھے۔

اسٹیشن کے باہر ایک نجی کار ان کے پاس آکر رکی۔ ڈرائیور سفید داڑھی والا، پچاس کے پیٹے میں، دونوں کو دیکھتا رہا جیسے ان کے چہروں پر کوئی پتا لکھا ہو۔

"کدھر جانا ہے جی؟ اندر والی سڑک پر؟"

"فوراً آؤ۔ یہاں دل بہت اداس ہے اور گھر بہت خاموش۔" آرزو کے خط کے الفاظ زہرہ کی نظروں کے سامنے دوبارہ جی اُٹھے—ہر لفظ ایک سوال بن کر اس کے دماغ میں گونجنے لگا۔ ان کے بیچ ہمیشہ سے خط و کتابت کا ایک سلسلہ رہا تھا، بس کچھ عرصے سے رابطہ ٹوٹا ہوا تھا جسے آرزو کے خط نے بحال کیا۔

فون کی وہ بات نہ تھی، خطوط کے ذریعے دل کھول کر باتیں کی جاسکتی تھیں۔

گاڑی چل پڑی۔ قصبہ پیچھے رہ گیا۔ پھر دھند کے بیچوں بیچ ایک سایہ اُبھرا۔

سنگِ سراب۔

سیاہ پتھروں کی دو منزلہ عمارت، جس کی دیواریں نمی سے چمک رہی تھیں اور کنگرے ایسے لگتے تھے جیسے وقت نے انہیں آہستہ آہستہ گھس کر نرم کر دیا ہو۔ دور سے وہ کسی بحری جہاز کا بدن معلوم ہوتا تھا جو کنارے پر آ لگا ہو اور دھند میں اپنی سانسیں چھپا رہا ہو۔

ڈرائیور نے گلا صاف کیا، جیسے لفظ حلق سے کھینچ کر نکال رہا ہو۔

"یہی ہے۔۔۔ سنگِ سراب۔ اس کا یہ نام اس لیے پڑا کہ دھند کی اوٹ میں یہ وہ سب کچھ دکھائی دیتا ہے، جو یہ حقیقت میں نہیں ہے۔"

پھر وہ جیسے اپنے ہی جملے سے گھبرا گیا۔ "۔۔۔لوگ بہت باتیں بناتے ہیں، نری افواہیں۔"

"یہاں میری کزن رہتی ہے۔" زہرہ نے کہا۔

ڈرائیور نے عقبی آئینے میں اسے دیکھا۔ "آپ ٹھہرنے آئی ہیں؟"

"ہاں۔"

وہ خاموش رہا، پھر آہستہ سے بولا۔

"زیادہ دن نہ رکیں تو بہتر رہے گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

گاڑی کی بتی دھند میں مدھم ہوئی، پھر جیسے کسی نے اسے کہر کے پانی میں بجھا دیا ہو۔ سنگِ سراب کی خاموشی اور زیادہ واضح ہو گئی۔ سمیر نے سوٹ کیس سنبھالا اور زہرہ کے ساتھ بڑے پھاٹک کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

پھاٹک پر مسلح گارڈز کی خاموش موجودگی نے ماحول کو مزید سنگین بنا دیا تھا۔ ایک گارڈ نے دوسری طرف اشارہ کیا۔ لوہے کی زنجیر کھنکی، پھر کواڑ آہستہ آہستہ کھلنے لگے۔ کواڑوں کی چرچراہٹ دھند میں پھیل کر یوں واپس آئی جیسے عمارت خود اندر آنے والوں کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

اندر سے ایک ملازم لپک کر آیا۔ درمیانی عمر، سر جھکائے ہوئے، لباس سادہ مگر صاف۔ اس نے بغیر سوال کیے سوٹ کیس اٹھا لیا، جیسے سنگِ سراب میں ہر آنے والے کی خبر پہلے سے لکھی جاتی ہو۔ زہرہ نے لان کی طرف

دیکھا۔ سامنے لمبی پگڈنڈی تھی جو ہرے لان کے بیچ سے گزرتی تھی، دونوں جانب پودوں کی قطاریں کھڑی تھیں۔

وہ لان کے وسط سے ہوتے ہوئے آگے بڑھے تو عمارت کی سیڑھیاں سامنے آ گئیں۔ پتھر کی چوڑی سیڑھیاں، جن کے کناروں پر وقت نے باریک دراڑیں ڈال دی تھیں۔ قدم پڑتے تو ایک بھاری سی آواز پیدا ہوتی، جیسے پتھر جواب دے رہا ہو۔ سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے میں پہنچے تو ہوا اور ٹھنڈی محسوس ہوئی۔ برآمدے کے بیچوں بیچ مرکزی دروازہ تھا۔ موٹے لکڑی کے پٹ، لوہے کی پٹّیاں، اور درمیان میں بھاری سا دستک دینے والا کونڈا، جو کسی پرانی رسم کی طرح جڑا ہوا تھا۔

سمیر نے ایک نظر زہرہ کو دیکھا، پھر ہاتھ بڑھا کر کونڈا ہلایا۔ دھات نے لکڑی پر ضرب لگائی تو آواز اندر تک گئی اور برآمدے میں چند لمحوں کے لیے ایسی خاموشی چھا گئی جیسے سب کچھ سانس روک کر جواب کا منتظر ہو۔

دروازہ کھلا تو اندر کی محبوس اور باسی ٹھنڈک ایک جھونکے کی صورت باہر نکلی، جیسے عمارت نے ایک لمبی سرد آہ بھری ہو۔ پھر مہرو سامنے آئی۔ وہ سیاہ لباس میں تھی۔ سلیقے سے اوڑھا گیا دوپٹہ اور چہرے پر ایسی سنجیدگی جیسے مسکراہٹ یہاں ضرورت سے زیادہ شے ہو۔ اس کی آنکھوں کی روشنی تیز تھی مگر نگاہ جھکی ہوئی۔ اس نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر راستہ دیا۔

"آیئے۔۔۔ اندر تشریف لایئے۔" اس کی آواز میں نرمی تھی مگر ایک عجیب سا ٹھہراؤ بھی، جیسے لفظوں کے پیچھے کوئی اور بات چھپی ہو۔

اندر داخل ہوتے ہی قدموں کی چاپ بدل گئی۔ پتھر کے ٹھنڈے فرش پر چلنے سے آواز گونجتی تھی اور وہ گونج ایسے پیچھے آتی جیسے کوئی اضافی قدم بھی ساتھ چل رہا ہو۔ راہداری میں قدیمی سجاوٹ تھی۔ دیواروں پر گہرے رنگوں کی پراسرار آئل پینٹنگز، جن میں چہروں کی آنکھیں واضح تھیں مگر تاثرات مٹے مٹائے سے۔

مہروانہیں ڈرائنگ روم میں لے گئی۔

سامنے والی دیوار پر ایک بڑی سی پینٹنگ جس میں ایک عورت سُرخ آنچل میں آدھا چہرہ چھپائے کھڑی تھی۔

زہرہ کو محسوس ہوا جیسے کمرے کی سجاوٹ میں بھی کوئی بات پوری نہیں کہی گئی—سب کچھ خوب صورت ہے، مگر ادھورا، رکا ہوا۔

مہرو نے دو قدم پیچھے ہٹ کر کہا۔

"آپ لوگ بیٹھیں۔ میں چائے لے آتی ہوں۔"

چائے آئی تو پیالیوں کی کھنک نے خاموشی میں پہلی بار روزمرہ کا سا دائرہ بنایا۔ سمیر نے رسمی انداز میں شکریہ کہا، مگر اس کی نگاہ بار بار دروازے کی طرف جاتی رہی۔

اتنے میں مہرو دوبارہ نمودار ہوئی، مگر اس بار وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ آرزو تھی—بھاری سی وہیل چیئر پر۔ آرزو کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، وہی پرانی پہچان والی، مگر آنکھوں کے نیچے تھکن کی باریک لکیریں صاف دکھائی دیتی تھیں۔ زہرہ کے اندر ایک لمحے کو حیرت کا ہلکا سا جھٹکا آیا، پھر فوراً محبت اور فکر نے اسے ڈھانپ لیا۔

"زہرہ۔"

آرزو نے دونوں ہاتھ بڑھائے۔

"تم واقعی آ گئی؟"

زہرہ نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔

"تم نے بلایا تھا۔۔۔کیسے نہ آتی۔"

چند لمحوں بعد دروازے کے پاس قدموں کی ایک دوسری چاپ سنائی دی—نسبتاً ٹھہری ہوئی، باوقار۔ حارث اندر آیا۔ لباس نفیس، چال میں ضبط، چہرہ وجیہہ مگر سپاٹ تھا—ایسی سنجیدگی جیسے وہ ہر بات پہلے تول کر کہتا ہو اور اس کی خاموشی میں بھی ایک خاص دبدبہ تھا۔

اس نے مختصر سلام کیا اور پھر نظر ایک لمحے کو آرزو کی طرف گئی، جیسے کوئی بات کہنا چاہتا ہو مگر الفاظ کے انتخاب میں رکاوٹ ہو۔

"سفر کیسا رہا؟" سوال عمومی تھا، مگر لہجے میں وہ گرمی نہ تھی جو گھر آئے مہمان کے لیے فطری ہوتی ہے۔

سمیر نے جواب دیا۔ "ٹھیک رہا۔ بس سوہاوہ کے قریب دھند کی وجہ سے گاڑی رینگ کر چل رہی تھی۔" پھر جیسے رسمی دائرہ پورا کرنے کے لیے بولا۔ "آپ کا کام کاج کیسا چل رہا ہے؟"

حارث نے سر ہلا کر مختصر سا بتایا، پھر بات سیدھی آرزو کی طرف لے آیا۔ "فریکچر۔۔۔آج کیسا محسوس ہو رہا ہے؟ تکلیف تو نہیں؟"

آرزو کے چہرے پر مسکراہٹ برقرار رہی، مگر ٹھوڑی ذرا سا تن گئی۔ "تکلیف تو رہتی ہے۔۔۔ لیکن اب عادت ہو گئی ہے۔"

پھر اس نے نظر زہرہ پر جما دی، جیسے اس کمرے میں اصل سہارا اسی کی موجودگی سے ہو۔

"آرزو یہ۔۔۔" زہرہ نے ہاتھ سے وہیل چیئر کی جانب اشارہ کیا۔ "۔۔۔ سب کیا ہے؟"

"سیڑھیوں سے گری تھی۔" آرزو نے عجیب سی نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھا۔

"کتنی بار کہا ہے رات میں کمرے سے نہ نکلا کرو۔" حارث کا لہجہ سرد تھا زہرہ اور سمیر ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

کچھ دیر کو خاموشی چھا گئی۔

پھر سمیر نے چائے کی پیالی رکھ دی۔ "میں نے صبح ناشتے کے بعد واپس نکل جانا ہے۔ دفتر میں کچھ ضروری کام ہیں۔"

آرزو فوراً بولی، آواز میں ضد بھی تھی اور مان بھی۔ "تم جا سکتے ہو، مگر زہرہ نہیں۔ زہرہ، میں تمہیں ایک ماہ سے پہلے نہیں جانے دوں گی۔"

ایک ماہ تو بہت ہے۔ زہرہ سوچ کر رہ گئی۔ آرزو نے خط میں تو ایسا کچھ نہ کہا تھا اور وہ ایسے لمبے قیام کے لیے کپڑے بھی نہیں لائی تھی۔

حارث نے کوئی تبصرہ نہ کیا، مگر اس کی نگاہ ایک لمحے کو آرزو کے چہرے پر رکی، پھر کمرے کی کسی دور چیز پر جا ٹھہری۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام کی دھوپ میں تپش ماند پڑ چکی تھی۔ سنگِ سراب کے لان میں گھاس کے اوپر ایک ہلکی سی نمی تھی، جیسے دھند نے جاتے جاتے اپنی مہر چھوڑ دی ہو۔ دور درختوں کی شاخیں ساکت کھڑی تھیں اور پرندوں کی اکا دکا چہچاہٹ اس خاموشی میں بس اتنی سی دراڑ ڈالتی کہ سکوت کی گہرائی اور زیادہ محسوس ہونے لگتی۔

زہرہ چائے کا کپ دونوں ہاتھوں میں تھامے لان کی ایک سائیڈ والی کرسی پر بیٹھی تھی۔ کپ کی گرمی ہتھیلیوں میں اترتی تو اسے اپنے اندر کی بے یقینی کچھ کم محسوس ہوتی، مگر سنگِ سراب۔۔۔ یہ تو ہر آتی جاتی سانس کے ساتھ ایک ہی احساس دلائے رکھتا۔

یہاں کچھ بھی سیدھا نہیں۔

سامنے سورج ڈھل رہا تھا۔ روشنی کے سنہری ٹکڑے عمارت کی دیواروں پر پڑتے تو یوں لگتا جیسے پتھر بھی کسی پرانی یاد کے سبب پل بھر کو نرم ہو گئے ہوں۔ پھر کھڑکیوں کے سیاہ شیشے اور بلند محرابیں، وہی سرد تاثر واپس لے آتیں۔

زہرہ نے کپ میز پر رکھا ہی تھا کہ اسے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ یہ آہٹ معمول کی نہیں تھی۔ بھاری، بے عجلت۔ جیسے کوئی شخص زمین سے زیادہ اپنے اعتماد پر چل رہا ہو۔

وہ گردن موڑ کر دیکھنے لگی تو عقب سے آواز آئی۔ صاف، ہلکی سی طنزیہ اور بلاوجہ شائستہ بھی۔

"گردن یوں ترچھی نہ کرو، بل پڑ سکتا ہے۔ میں سامنے سے آتا ہوں، پھر اطمینان سے دیکھ لینا۔"

زہرہ کی گردن ایک لمحے کو وہیں رک گئی۔ پھر اس نے جیسے خود کو سنبھالا، چہرے پر کوئی تاثر لائے بغیر نظریں سیدھی رکھیں۔ آہٹ قریب آئی، پھر سامنے سے وہ شخص لان کی روشنی میں داخل ہوا۔

ریحان ثاقب مرزا۔

وہ وجیہہ تھا، مگر اس کی وجاہت روایتی نہیں تھی۔ چہرے کی بناوٹ میں کچھ غیر معمولی تھا۔ آنکھوں میں بے فکری اور ذہانت کا امتزاج، اور لبوں پر وہ مسکراہٹ جو خود ایک سوال بھی تھی اور جواب بھی۔ نفیس پینٹ شرٹ اس پر ایسے جچی تھی جیسے کپڑے اسی کے لئے بنے ہوں، چال میں وہ اعتماد تھا جو یا تو موروثی امارت سے آتا ہے یا پھر زندگی کے کسی بڑے حادثے کے بعد۔

زہرہ نے بے اختیار نظر نیچے کی طرف سرکا دی۔ اس کے جوتے۔۔۔ وہ عام نہیں تھے۔ چمڑے کے گہرے براؤن رنگ پر ہاتھ کی سلائی کی باریک لائنیں، ایڑی کے پاس ہلکا سا کٹ ورک، اور ایک باریک دھاتی پن جو روشنی پڑتے ہی خاموشی سے چمک اٹھتی۔ ایسے جوتے جو قیمت کے لئے نہیں، ذوق کے لئے پہنے جاتے ہیں۔

ریحان نے زہرہ کی خاموشی اور اس کا سر سے پیر تک دیکھنا نوٹ کیا۔ مسکراہٹ مزید ترچھی ہوئی۔

"تو؟" اس نے ہلکے سے سر جھکا کر کہا۔ "جو دیکھا، اس پر تبصرہ نہیں کرو گی؟"

زہرہ نے چائے کا کپ اٹھایا، ایک گھونٹ بھرا اور سپاٹ لہجے میں بولی۔ "آپ کے جوتے بہت اچھے ہیں۔"

ریحان کی بے ساختہ ہنسی میں حیرت نمایاں تھی۔اس نے سر ذرا سا خم کیا، جیسے جوتوں کی اس تعریف کو باقاعدہ اعزاز سمجھ کر قبول کیا ہو۔

"جوتے پسند آئے۔یہ تو حوصلہ افزا بات ہے۔"

زہرہ نے اسے ایک نظر دیکھا، جیسے پیمائش کر رہی ہو کہ یہ جملہ تعریف ہے یا خود اپنی تعریف۔پھر اسی سپاٹ انداز میں بولی۔

"اگر آپ کو اپنی مرضی کی تعریف سننی ہے تو بتا دیں، میں وہ کہے دیتی ہوں۔"

ریحان نے کرسی کھینچی اور آرام سے زہرہ کے سامنے بیٹھ گیا۔اس کی نشست میں بھی ایک بے تکلفی تھی، جیسے وہ ہر جگہ کو اپنا ڈرائنگ روم سمجھتا ہو۔اس نے کہنی میز کے کنارے پر رکھی، اور نگاہیں زہرہ پر جما دیں۔

"جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے، یہ ہماری پہلی ملاقات ہے اور آپ بلا تکلف 'تم' کہے جا رہے ہیں۔"زہرہ کے ماتھے پر ہلکی سی شکن نمودار ہوئی۔

"پرانی عادت ہے۔۔"ریحان نے کرسی سے ٹیک لگاتے ٹانگ پر ٹانگ رکھی۔"لوگوں کو اچنبھے میں ڈالنے کی۔"

زہرہ نے اسے دیکھتے ابرو اچکایا۔

"تمہارا انداز بہت نپا تلا ہے۔"اس نے کہا۔"سیدھا کام، سیدھی بات۔بس افسوس یہ ہے کہ بعض لوگ سیدھی بات کو بھی اپنی طرف موڑ لیتے ہیں۔"

"آپ اپنی تعریف کر رہے ہیں یا میری خامیوں کی فہرست تیار کر رہے ہیں؟"

ریحان کی آنکھوں میں چمک آئی۔

"میں تو بس تعارف کی کوشش کر رہا ہوں۔ ویسے بھی۔۔۔ تم مجھے دیکھ کر کچھ زیادہ حیران نہیں ہوئیں۔ میری آمد کے متعلق سن رکھا تھا کیا؟"

زہرہ نے کندھے اچکائے۔ "ایسی جگہ۔۔۔" اس نے ایک طائرانہ نگاہ اس سیاہ پتھروں کی عمارت پر ڈالی، دوسری اس شخص پر۔ "۔۔۔ میں آپ جیسی ہی شخصیت سے ملنے کی توقع کر سکتی ہوں۔"

ریحان نے جیسے دل ہی دل میں تالیاں بجائیں۔ "رسمی طور پر بتا دوں، میں ریحان ثاقب مرزا ہوں۔ حارث کا چھوٹا بھائی۔ آج ہی واپس لوٹا ہوں۔"

زہرہ کے چہرے پر ایک لمحے کو ٹھہراؤ آیا۔ حارث کا نام جیسے فضا میں وزن پیدا کر دیتا تھا۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

ریحان نے سر ذرا سا ایک طرف کیا۔ "ابھی تک فیصلہ نہیں کر پایا کہ پاکستان میں رہوں یا واپس انگلینڈ جاؤں۔"

زہرہ نے پہلی بار اسے سیدھا دیکھا۔ "فیصلہ نہ کر پانا بھی بذاتِ خود ایک فیصلہ ہی ہوتا ہے، مسٹر ریحان۔"

ریحان نے انگلی سے میز پر ہلکی سی ٹھک ٹھک کی، جیسے اس جملے کی دھن پسند آ گئی ہو۔ "واہ، تم تو واقعی خطرناک ہو۔"

زہرہ نے سنجیدگی سے تصحیح کی۔"خطرناک نہیں، صرف محتاط۔"

ریحان نے سامنے پھیلے لان، مدھم پڑتی کرنوں اور عمارت کے سائے کو دیکھا۔ نگاہیں لوٹ کر زہرہ کی جانب آئیں۔

"یہ جگہ محتاط لوگوں کے لئے ہی بنی ہے۔ ورنہ لوگ یہاں آکر شکار ہو جاتے ہیں۔۔۔ یا پھر بھاگ جاتے ہیں۔"

"یہ آپ سب مل کر اس جگہ کو ایک معمہ دبنانے پر کیوں تُلے ہوئے ہیں۔"زہرہ کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اس سب کو لے کر اس کی اپنی سوچ کیا تھی۔ ابھی تک تو وہ کسی بھی نتیجے پر پہنچنے سے قاصر تھی۔'ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں'، اس نے خود کو جھڑکا۔

"رفتہ رفتہ سب جان جاؤ گی۔"وہ کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔"جواب ڈھونڈنے سے ملتے ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

رات سنگِ سراب پر کچھ یوں اتری۔۔۔ جیسے کسی نے اچانک پردہ گرادیا ہو۔

لان کی ہوا جو شام کو نرم تھی، اب کھڑکیوں کے شیشوں پر انگلیاں پھیرتی ہوئی سی سنائی دینے لگی۔ دوسری منزل پر واقع گیسٹ روم میں زہرہ لیٹی تو تھی، مگر نیند اس کی پلکوں کے کناروں پر آکر بھی ٹھہر نہیں رہی تھی۔

بھاری، قدیم لکڑی کا پلنگ—— سرہانہ ہاتھ سے کندہ کاری کیا ہوا—— کمرے کے بیچوں بیچ جیسے حکم چلاتا کھڑا تھا۔ ایک طرف پرانی الماری تھی، اتنی بھاری کہ دیکھ کر لگتا اسے ہلانے کے لئے آدمی نہیں، نیت چاہیے۔ پردے

موٹے مخملی تھے، مگر برسوں کی گرد نے ان کے رنگ کو دبا دیا تھا۔ دیوار کے ساتھ ایک چھوٹا سا سائیڈ ٹیبل رکھا تھا، جس پر دو کتابیں، ایک شیشے کا گلاس، اور زہرہ کی اپنی لائی ہوئی موم بتی رکھی تھی۔

زہرہ کو موم بتیاں ہمیشہ سے پسند رہی تھیں۔ وہ ان کی روشنی سے زیادہ اس بات کو پسند کرتی تھی کہ آگ کتنی خاموشی سے اندھیرے کو توڑتی ہے۔ اس بار وہ خاص طور پر گھر سے ایک موٹی سی خالص موم کی موم بتی ساتھ لے آئی تھی — شہد کی موم جیسی ہلکی سنہری رنگت، اس پر صندل کی خوشبو بہت مدھم سی، جیسے کسی نے عطر کی ایک بوند موم میں بس یاد کے لئے رکھ دی ہو۔

کمرے کی برقی بتی بند تھی۔ یہاں مصنوعی روشنی جلانا بھی اسے عمارت کے مزاج کے خلاف لگتا تھا، جیسے سنگِ سراب اندھیرے میں ہی خود کو پورا سمجھتا ہو۔

وہ آنکھیں موندے سونے کی کوشش کر رہی تھی کہ یک لخت ایک آواز نے فضا کا سکوت توڑا۔

دروازے کے باہر راہداری میں گھنگروؤں کی مدھم سی چھنک ابھری۔

چھن۔ ایک بار۔

پھر جیسے ہر قدم پر چھن کی آواز بلند ہوتی گئی۔

اس آواز کی سمت کا تعین کرنا مشکل تھا، مگر پھر یہ قدم سیڑھیوں کی جانب اترتے محسوس ہوئے۔ وہ سیڑھیاں جو نچلی منزل کو جاتی تھیں۔

زہرہ کے جسم میں سرد لہر دوڑ گئی۔اس نے پلکیں جھپکائے بغیر چھت کو دیکھا، جیسے یہاں دیکھنے سے آواز رک جائے گی۔آواز رکی تو نہیں، مدھم ضرور ہوئی۔

زہرہ نے کمبل آہستہ سے ایک طرف کیا۔لکڑی کے بھاری پلنگ نے ذرا سی چرچراہٹ کی تو اسے یوں لگا جیسے ساکت دیواریں متوجہ ہو گئی ہوں۔اس نے فوراً حرکت روک دی۔چند لمحے وہ اسی طرح بیٹھی رہی، سانس اپنے اندر قید کئے۔

اب چاروں طرف خاموشی تھی۔

ایسی خاموشی جو فریب تھی، محض سانس بحال کرنے کا ایک وقفہ۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی موم بتی اٹھائی۔ماچس کی تیلی جلتے ہی ایک چھوٹی سی روشنی پیدا ہوئی، پھر شعلہ موم بتی کے سراوے پر چڑھ گیا۔شعلہ ہلکا سا تھرتھرایا، جیسے اسے بھی اس قدیمی عمارت کی سردی کا احساس ہو۔

زہرہ نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ محض وہم ہے، محض نیند کا فریب—— مگر اس کی انگلیاں موم بتی کو ایسے مضبوطی سے پکڑے تھیں جیسے وہ خود اپنی بات پر یقین نہ کر پا رہی ہو۔

وہ بغیر لائٹ آن کیے، موم بتی کو سینے کے قریب کئے، آہستہ آہستہ دروازے تک گئی۔اس نے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھا—— جیسے فرش کی لکڑی کو بھی چونکنے سے روکنا ہو۔دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے کان لگا کر سنا۔

کچھ نہیں۔

پھر بھی۔۔۔اسے یقین تھا کہ وہ جھنکار اس کے اندر سے نہیں آئی تھی۔

اس نے آہستہ سے چٹخنی سرکائی۔دھات کی اس ہلکی سی رگڑ نے خاموشی میں ایک شگاف ساڈال دیا،اور زہرہ کا دل جیسے اسی آواز کے ساتھ دھڑک اٹھا۔اس نے دروازہ کھولا تو راہداری میں نیم تاریکی پھیلی تھی۔موم بتی کی روشنی باہر نکلی تو راہداری کی دیواریں مزید بلند اور ہیبت ناک دکھائی دینے لگیں۔

وہاں ہو کا عالم تھا۔کوئی قدموں کی چاپ نہیں تھی،نہ ہی کسی لباس کی سرسراہٹ۔صرف ایک طویل اور بوجھل سی خاموشی تھی جو دور جا کر اندھیرے کے غار میں گم ہو جاتی تھی۔

زہرہ نے دائیں دیکھا،پھر بائیں۔کوئی نہیں۔

لیکن اس نہ ہونے میں بھی کچھ تھا۔

کسی تیز اور قدیم زنانہ عطر کی مہک،جو ہوا میں ٹھہری ہوئی تھی۔

زہرہ کا گلا خشک ہو گیا۔اس نے موم بتی کی لو کو ذرا اوپر اٹھایا،جیسے وہ اس دھندلی روشنی سے سچ نچوڑ لینا چاہتی ہو۔

راہداری پھر بھی خالی رہی۔

وہ ایک لمحے کو وہیں کھڑی رہی،سانس روکے،جیسے اگر اس نے سانس لی تو عمارت اسے سن لے گی۔

آوازیں واپس نہیں آئیں۔

وہ دبے قدموں اپنے کمرے کی طرف پلٹی۔ اب اس کے پاس محض موم بتی کی تپش ہی نہیں، بلکہ ایک لرزا دینے والا انکشاف بھی تھا: یہ گھر — جو دن بھر گہری چپ سادھے رکھتا ہے — سورج ڈھلتے ہی کسی سحر کے زیرِ اثر جاگ اٹھتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح کی روشنی سنگِ سراب میں 'روشن' نہیں ہوتی تھی۔ وہ بس دھند کے پردے سے چھن کر اندر آتی، اور قدیم فرش پر ایسے پھیل جاتی جیسے کسی نے روشنی کے رنگ میں پانی ملا دیا ہو۔ ڈائننگ روم کی لمبی میز پر سفید کپڑا بچھا تھا، مگر اس سفیدی پر بھی عمارت کی نمی کی ہلکی سی سیاہی بیٹھی ہوئی لگتی تھی۔ چینی کے کپ، پیتل کی کیتلی، اور درمیان میں پھولوں کا ایک گلدان — جس میں پھول مرجھائے ہوئے تھے۔

آرزو وہیل چیئر سمیت میز کے سرے کے قریب بیٹھی تھی۔ آج اس نے ہلکے رنگ کا دوپٹہ لیا ہوا تھا۔

زہرہ نے چمچ سے چائے کو ہلکی سی گردش دی تو کپ کی کھنک نے کمرے میں لمحہ بھر کے لیے زندگی کا دھوکا دیا۔

آرزو نے اسے نرمی سے مخاطب کیا۔ "گھر میں سب خیریت؟"

زہرہ سر ہلا کر رہ گئی۔ "ہاں، امی کی کمر پہلے جیسی ہے، بس موسم بدلتے ہی درد بڑھ جاتا ہے۔ باجی سحر اور مریم — دونوں کی اپنی اپنی دنیا چل رہی ہے۔ سمیر بھائی سے تو مل ہی چکی ہو، ان کی بیوی سے کافی دوستی ہو گئی ہے۔ اچھا وقت گزر جاتا ہے۔"

"میں نے تو بس شادی پر ہی دیکھا تھا۔" پھر مسکرا کر پوچھا۔ "بچوں کا کیا حال ہے؟"

"سحر باجی کا بڑا بیٹا حاشر، اب ہر بات میں 'میں بڑا ہوں' کا اعلان کرتا پھرتا ہے۔ اور مریم باجی کی چھوٹی بیٹی فاطمہ ـــــ وہ تو ایسے دیکھتی ہے جیسے ہر آدمی اس کے لیے کوئی کھیل لے کر آیا ہو۔"

آرزو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ "اللہ نظر سے بچائے۔" پھر جیسے بات کا رخ بدلتے ہوئے اس نے کپ میز پر رکھا۔ "کچھ اپنی بھی سناؤ؟"

"میری۔۔۔ تو بس وہی پرانی۔" لحظہ بھر کو رکی پھر پورے دل سے مسکرائی۔ "اچھی گزر رہی ہے۔ بس افسوس ہے کہ محض خاندانی ناراضگی کے باعث اتنا عرصہ تم سے ملاقات نہ ہو پائی۔"

"دیکھ لو، بڑوں کی ناراضگی میں کئی بار چھوٹے پِس جاتے ہیں۔"

اس جملے کے ساتھ ہی دروازے کی طرف سے قدموں کی آواز آئی۔ حارث اندر آیا۔ وہ سادہ مگر مہنگے کپڑوں میں تھا، بال سنورے ہوئے، چہرہ معمول کے مطابق سنجیدہ۔ اس نے مختصر سلام کیا اور میز کی دوسری طرف والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"زہرہ اپنے گھر کی باتیں بتا رہی تھی۔" آرزو نے شوہر کو بھی گفتگو کے دائرے میں گھسیٹا۔ پھر اس نے ایک لمحے کے توقف کے بعد، جیسے کسی بات کو جان بوجھ کر میز پر رکھ رہی ہو، کہا۔ "ویسے۔۔۔ حارث نے جب تمہارے منگنی توڑنے کے فیصلے کے بارے میں سنا تو جانتی ہو کیا کہا تھا؟ بولا، بالکل ٹھیک کیا۔"

زہرہ کی نگاہ بے اختیار حارث پر چلی گئی۔اسے حیرت تھی کہ حارث جیسا روایتی شخص کسی لڑکی کے منگنی توڑنے کو 'ٹھیک' کیسے کہہ سکتا ہے۔

حارث نے چائے کے کپ کو ہاتھ لگایا، مگر نگاہیں کپ کے اندر کسی ان دیکھے نقطے پر مرکوز تھیں۔

"تمہاری اس جرات کو بہت سراہا۔بولا، جو شخص دل میں کسی اور کو بسائے بیٹھا ہو، اس سے شادی کرنی ہی نہیں چاہیے۔"

"میں نے بس۔۔۔عمومی بات کی تھی۔"حارث جیسے توجہ کا مرکز بننا نہیں چاہتا تھا۔

"عمومی باتیں کبھی بہت خاص ہوتی ہیں۔"زہرہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔"ہر شخص آپ جیسی واضح سوچ نہیں رکھتا۔"

کمرے میں چند سیکنڈ کے لیے ایک ایسی خاموشی اتری جیسے عمارت کی دیواریں خود سانس روک کر سن رہی ہوں۔

چائے کی کیتلی سے بھاپ اٹھی، ملازم نے پلیٹ میں گرما گرم پراٹھا رکھا، مگر زہرہ کے کانوں میں اب بھی کل رات والی گھنگروؤں کی بازگشت گونج رہی تھی۔

وہ اس صبح کو 'نارمل' بننے نہیں دے رہی تھی۔

"آرزو۔۔۔تم سیڑھیوں سے گری کیسے تھیں؟"

زہرہ کے سوال پر حارث کا ہاتھ، جس سے وہ ابھی چائے کا گھونٹ بھرنے ہی والا تھا، فضا میں ساکت رہ گیا۔

آرزو کی انگلیاں دوپٹے کے پلو پر سختی سے جم گئیں۔

"مجھے کچھ کام ہے۔" حارث نے کرسی سرکائی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

دروازہ بند ہوا تو اس کے بعد کی خاموشی زیادہ بھاری تھی۔ آرزو نے نگاہیں جھکا لیں۔

"مجھے۔۔۔ کچھ ٹھیک سے یاد نہیں۔ بس۔۔۔ ایک لمحہ تھا، اور پھر درد۔ شاید پاؤں پھسلا۔"

زہرہ نے 'شاید' کے اندر چھپا ہوا خوف سن لیا۔ اس نے کچھ نہ کہا، مگر اس کے اندر سوالوں کی ایک قطار سیدھی کھڑی ہو گئی۔ یہاں سب کچھ 'شاید' پر کیوں آ ٹھہرا ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆

بالائی برآمدے میں دھوپ اب ستونوں کے پار چاروں اطراف میں پھیل چکی تھی۔ حارث آج بھی نظر نہیں آیا تھا۔ آرزو اپنی وہیل چیئر پر ریکنگ کے قریب ساکت بیٹھی تھی، اور ریحان اپنی مخصوص نفاست کے ساتھ وہیں کھڑا تھا، جیسے صبح کی روشن فضا بھی اس کے لیے کسی تقریب کا حصہ ہو۔

زہرہ نے ریکنگ سے ہاتھ ہٹا کر کہا۔ "مجھے موم بتیاں لینے جانا ہے۔ ایک ہی ساتھ لائی تھی، ختم ہو گئی۔"

"کچن میں بہت سی ہوں گی۔" آرزو نے مشورہ دیا۔ "خاتون بی بی سے پوچھ لینا۔"

"ارے نہیں!" زہرہ ہلکا سا ہنسی۔ "شوق ہے میرا، ضرورت کے تحت نہیں جلاتی۔"

واقعی بھابھی!" ریحان نے فوراً تبصرہ کیا۔ "بجلی آئے ہوئے تو اب مدت بیت گئی۔ زہرہ کو غالباً ستر ہویں صدی کی اساطیری زندگی میں جینے کا شوق ہے۔"

مجھے تو موم بتیوں کا کاروبار کرنے کا بھی شوق ہے۔" زہرہ نے ابرو اچکاتے اسے دیکھا۔ "اسے آپ کس صدی میں شمار کرنا پسند فرمائیں گے؟"

ریحان نے گردن ذرا سا ایک طرف جھکائی، جیسے جملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو، پھر مسکرا کر بولا۔ "اتنا گہرا شوق ہے تو میں تمہیں لے چلتا ہوں۔"

"مجھے؟ آپ کیوں؟ میں اکیلی بھی جا سکتی ہوں۔"

ریحان کے ہونٹوں پر طنز کا وہی باریک سا زاویہ ابھرا۔ "اکیلی جا سکتی ہو، لیکن میرے ساتھ جانے کے بھی کچھ فائدے ہیں۔"

آرزو نے اپنی وہیل چیئر کے پہیے پر ہاتھ رکھا۔ "بس دو گاڑیاں ہیں۔ ایک پر حارث کا مستقل قبضہ ہے، دوسری گھر کے کاموں کے لیے۔ ڈرائیور تم دونوں کو لے جائے گا، حارث بتا رہے تھے تم نے بھی کچھ ضروری سامان خریدنا ہے۔" اس نے ریحان کی طرف دیکھا۔

ریحان نے اثبات میں سر ہلایا اور قریب کھڑے ملازم کو اشارہ کیا۔

کچھ دیر بعد، سفید ٹویوٹا کے اسٹارٹ ہونے کی آواز اوپر تک آئی۔

ریحان ڈرائیور کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا، زہرہ پچھلی پر۔ دروازہ بند ہوا تو سنگِ سراب کی خاموشی ایک لمحے کو اندر محبوس ہو گئی، پھر پہیوں کی رگڑ سے پیچھے رہ گئی۔

سفر کے سکوت کو زہرہ کی آواز نے توڑا۔ "آپ کو واقعی ساتھ آنے کی اتنی ضد کیوں ہے؟"

ریحان نے بغیر مڑے کہا۔ "ضد نہیں۔ میں جہاں اکتا جاؤں، وہاں خود کو بچانے کے لیے کوئی نہ کوئی مشغلہ ڈھونڈ لیتا ہوں۔ اور تم۔۔۔ تم یہاں کی سب سے دلچسپ مہم ہو۔"

"آپ کے جملے ہمیشہ ایسے ہی کاٹ دار ہوتے ہیں؟"

ریحان نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ سانس باہر نکالی۔

زہرہ نے چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ "میں کسی کی تفریح کا سامان نہیں بننا چاہتی۔ آپ اپنی بوریت دور کرنے کو کچھ اور تلاشیں۔"

ریحان نے گردن ذرا سا موڑی، جیسے وہ بات سن کر لطف اندوز ہوا ہو۔ "تم مجھے آپ کہتی ہو، جیسے میں کوئی بزرگ ہوں۔ انصاف کر لو۔"

زہرہ نے صاف کہا۔ "آپ میرے لیے اجنبی ہیں۔"

"یہی تو مسئلہ ہے۔ تم مجھے اجنبی سمجھتی ہو، مگر سنگِ سراب میں اجنبیت سب سے خطرناک چیز ہے۔"

قصبہ قریب آیا تو دھند چھٹ گئی، مگر فضا کی نمی باقی تھی۔ گلیاں تنگ تھیں، دکانوں کے بورڈز پر رنگ اکھڑا ہوا تھا اور لوگ ہر آنے والے کو تجسس سے دیکھ رہے تھے۔

ریحان نے اچانک کہا۔ "جہاں تک مجھے یاد ہے یہاں ایک بہت خاص دکان ہے۔ موم بتیاں۔۔۔اور کچھ دلچسپ اشیا۔"

زہرہ نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔ "وہ کیا؟"

ریحان نے ڈرائیور کو ایک گلی کی طرف اشارہ کیا۔ "وہی تو دیکھنے کی چیز ہے۔"

دکان کی کھڑکی پر پردہ سا لٹکا تھا، جیسے اندر کی چیزیں باہر والوں سے چھپانا مقصد ہو۔ دروازہ کھولتے ہی ایک مہک نے انہیں گھیر لیا۔ اندر شہد کی موم کی میٹھی مہک اور خالص نباتاتی عطر کی تلخی بسی ہوئی تھی۔

اندر روشنی کم تھی مگر اندھیرا نہیں تھا۔ شیشے کی الماریوں میں مختلف رنگوں کی موم بتیاں سجی تھیں: باریک لمبی، موٹی ستون جیسی، چوڑی پیالیوں میں، اور کچھ ایسی جن میں سوکھے پھول، دار چینی کی چھال، اور لونگ جیسے مسالے جڑے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں ناریل کی موم سے بنی کریمی رنگ کی موم بتیاں تھیں، اور دوسرے کونے میں سفید چربیلی موم والی، جن کا رنگ صاف اور سطح نرم تھی۔

چھت کے قریب پرانی طرز کے چراغ تھے، اور دیواروں پر آئینے لٹکے تھے مگر عام آئینے نہیں: کسی کا فریم سیاہ لکڑی کا، کسی پر دھندلا سا نقش، اور کسی کے کنارے ایسے جیسے کسی نے انگلی سے دھول میں کوئی نام لکھا ہو۔ چند پینٹنگز بھی تھیں، چہروں کی نہیں، بلکہ سایوں کی۔۔۔ جیسے کوئی منظر آدھا یاد ہو اور آدھا بھولا بسرا۔

رقم وصولی کے کاؤنٹر پر ایک کم عمر لڑکا کھڑا تھا۔ اس کی نظریں فوراً جھک گئیں، جیسے یہاں دیکھنا بھی اجازت مانگتا ہو۔

اور پھر وہ عورت نظر آئی۔ ساٹھ کے پیٹے میں وہ عورت اپنے کلف لگے سفید لباس میں سراپا اختیار معلوم ہوتی تھی۔ اس کے جوڑے میں لگی رنگین پنسلیں ایک دلچسپ اضافہ لگتیں۔

اس نے زہرہ اور ریحان کو یوں دیکھا جیسے یہ ان کی پہلی ملاقات نہ ہو۔ "آ گئے؟" لہجہ سوال کم، اعلان زیادہ تھا۔

ریحان نے بے تکلفی سے کہا۔ "مادام نکہت، آپ کی دکان ڈھونڈتے ہوئے لگا جیسے قصبے کی کایا ہی پلٹ گئی ہے۔"

عورت کے ہونٹوں پر بہت ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ "قصبہ نہیں بدلتا، لوگ بدل جاتے ہیں۔ دیکھنے والی نظریں بدل جاتی ہیں۔" اس نے ریحان کے چہرے پر نظر ٹکائی۔ "تم ویسے ہی ہو۔"

زہرہ نے رسمی انداز میں کہا۔ "ہمیں تین موم بتیاں چاہیے تھیں۔"

بی بی نکہت نے سر ہلایا، پھر گردن ترچھی کرتے زہرہ کو نئے زاویے سے دیکھا۔ "تین ہی کیوں؟"

"تاکہ دوبارہ حاضری کا موقع ملے؟" زہرہ نے جواب بھی سوال کے سے انداز میں دیا۔ نکہت پہلی بار کھل کر مسکرائیں۔

"کچھ ہے۔۔۔ تم میں!" نکہت نے انگلی سے اس کی جانب اشارہ کیا۔

"مجھے یہ جگہ اچھی لگی۔" وہ اب چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ "جہاں اتنا کچھ ہو۔۔۔ وہاں ایک بار آنا کافی نہیں ہوتا۔"

"ایک بار میں نظریں سب کچھ جذب کرنے میں ناکام رہتی ہیں۔" نکہت نے اسے نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا۔ "کھوج ایک تھکا دینے والی مگر سحر انگیز مہم ہے۔"

زہرہ ایک لمحے کو ششدر رہ گئی۔ اسے لگا یہ عورت اس کے خیالات کی بو سونگھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

پھر مادام نکہت نے الماری سے تین مختلف موم بتیاں نکالیں۔

پہلی، شہد کی موم کی بنی ہوئی موم بتی تھی۔ سنہری اور خوشبودار، جیسے دھوپ کا ایک ٹکڑا۔ دوسری گہری سبز موم کی تھی، جس کے اندر چھوٹے چھوٹے سوکھے پتے دکھائی دیتے تھے۔ تیسری نیلے رنگ کی تھی۔

زہرہ نے سبز موم بتی کو غور سے دیکھا جس کے اندر سوکھے پتے اور مسالوں کے باریک ٹکڑے جڑے ہوئے تھے۔

"یہ سب آپ خود بناتی ہیں؟"

مادام نکہت نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"بنانا یہاں ہوتا ہے، مگر چیزیں یہاں کی نہیں۔"

زہرہ نے سوالیہ نظر سے دیکھا۔

"خالص موم کے بلاکس، جڑی بوٹیاں اور خشک پھول۔۔۔ سب راولپنڈی کے نرنکاری بازار اور لاہور کی اکبری منڈی سے آتے ہیں۔ وہاں کی پرانی منڈیوں میں اب بھی اصل چیز مل جاتی ہے۔"

زہرہ نے نیلی موم بتی کو روشنی کے قریب کیا۔ اس کی سطح میں ابرق کی باریک سی چمک تھی۔

"باقی کام یہاں ہوتا ہے۔ موم پگھلانا، خوشبو ملانا، اور کبھی کبھار تھوڑی سی چمک بھی۔"

ان کے لہجے میں وہ فخر تھا جو صرف ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کا ذوق عام نہیں ہوتا۔

زہرہ نے دکان میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے میز کے پاس رکھا ہوا شیشے کا گلوب دیکھا۔ اندر دھند کی طرح کچھ جما ہوا تھا، جیسے شیشہ خود سانس لے رہا ہو۔

اس نے پُرمزاح انداز میں پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟ مستقبل کا حال تو نہیں دکھاتا؟"

مادام نکہت نے سر ذرا اوپر کو اٹھایا۔ ان کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک در آئی جو دکان کی مدھم روشنی میں بھی نمایاں تھی۔ "نہیں۔"

"پھر؟" لہجے میں چیلنج تھا۔

مادام نکہت نے بہت سادگی سے کہا۔ "یہ دل کا حال بتاتا ہے۔"

ریحان نے فوراً کہا۔ "دل کا حال؟ پھر تو خطرناک چیز ہے۔"

مادام نکہت نے ہاتھ بڑھا کر گلوب پر انگلی رکھی۔ "تم دونوں نے دیکھنا ہے؟ اپنے دل کا حال؟" ایک معنی خیز مسکراہٹ ان کی جانب اچھالی۔ "یا ایک دوسرے کے دل کا؟"

اب وہ دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے سے اجتناب برت رہے تھے۔

ہم صرف موم بتیاں لینے آئے ہیں۔" زہرہ سپاٹ چہرہ لیے بولی۔

"وہی شعلہ جو اندھیرا مٹاتا ہے۔۔۔" مادام نکہت نے تنبیہی نگاہوں سے زہرہ کو دیکھا۔ "بے احتیاطی برتنے پر سب کچھ جلا کر راکھ بھی کر سکتا ہے۔"

زہرہ ابھی پیسے نکالنے ہی والی تھی کہ ریحان کاؤنٹر کی جانب بڑھا۔ لڑکے نے خاموشی سے موم بتیاں لپیٹ دیں۔

"ریحان، مجھے ایسی غیر ضروری مروت پسند نہیں۔" ادائیگی پر وہ ٹوکے بنا رہ نہ پائی۔

"تم نے پہلی بار میرا نام یوں لیا، جیسے سرزنش کر رہی ہو۔ مجھے اچھا لگا۔" وہی چمکتی آنکھیں، ترچھی مسکراہٹ۔

دروازے کی طرف جاتے ہوئے نکہت اچانک زہرہ کے قریب آئی۔ اس قدر نزدیک کہ اس کی خوشبو اور الفاظ دونوں کان میں اتر گئے۔ "اسے سنبھال کر رکھنا۔" اس نے سرگوشی کی۔

زہرہ کے قدم ایک لمحہ کو رکے۔

وہ پلٹی تو ریحان دروازے کے پاس کھڑا تھا، بے فکری سے باہر کی گلی میں جھانکتا ہوا۔

وہ دونوں گاڑی کی جانب بڑھنے لگے۔ "مادام نکہت مجھے بچپن سے جانتی ہیں۔ ان کی باتوں کو ہمیشہ حرفِ آخر نہ سمجھا کرو۔ بعض لوگ بس ایسے ہی ہوتے ہیں۔۔۔ تھوڑے عجیب۔ پُراسرار۔"

"ایسے الفاظ ہم کن لوگوں کے لیے استعمال کرتے ہیں، ریحان؟" پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ یہ سوال نہیں تھا، سوال اُٹھایا گیا تھا۔ "جو لوگ 'نارمل' سے ذرا مختلف ہوں۔ جنہیں 'فٹ' ہونے کا خبط نہ ہو، اپنی انفرادیت برقرار رکھنا چاہتے ہوں۔"

اس کی بات ختم ہونے پر وہ جو خاموشی سے اس کی بات سن رہا تھا، پیچھے کو مڑا۔

"ایسے ہی لوگ نقش چھوڑ جاتے ہیں۔" وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ جانے کیا کہہ رہا تھا، کیا سنا رہا تھا۔ کچھ جتا رہا تھا؟ خود کو سمجھا رہا تھا؟ "وہ ہر موڑ پر آسانی سے نہیں ملتے۔"

زہرہ نے نظریں چرائیں، باہر کی طرف دیکھا۔ "آپ نے کچھ لینا تھا۔" اسے اس کے حصے کی خریداری یاد کرائی۔

☆☆☆☆☆☆☆

زہرہ کی اچانک آنکھ کھلی تو کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ سفید پردے ہلکے سے سانس لیتے تھے، جیسے عمارت جاگی ہوئی ہو۔ اس نے بے اختیار نگاہ کھڑکی کی طرف کی۔ پردوں کے پیچھے بند کھڑکی کے شیشے پر باہر کا دھندلا سا منظر بھی دکھائی دیتا تھا۔

اور اسی دھندلے پن میں، ایک ہیولا تیزی سے گزرا۔ ہاتھ میں جلتی ہوئی موم بتی۔ روشنی کی ایک کانپتی لکیر، لڑکی جیسا سایہ۔ چہرہ واضح نہیں تھا، بس قامت اور تیز قدم۔

زہرہ کے دل میں ایک ٹھنڈا سا ڈر اترا۔ اگلے ہی لمحے اسے ان دور جاتے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ چاپ سیدھی سیڑھیوں کی طرف جا رہی تھی، جیسے کوئی جلدی میں ہو، یا جیسے کوئی جانتا ہو کہ اسے مزید نہیں رکنا۔

زہرہ نے لحاف ایک طرف پھینکا۔ ڈر تھا، مگر اس سے بڑا سوال تھا۔ وہ ننگے پاؤں ہی کمرے سے نکل گئی۔ راہداری میں قدم رکھتے ہی ہوا کا جھونکا آیا، اور کسی عطر کی گہری خوشبو پھیل گئی۔ وہی خوشبو۔۔۔ جو لمحے بھر کو ذہن کو بھٹکا دے اور پھر یاد کو چبھنے لگے۔

وہ آہستہ سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی، پھر تیزی سے نیچے اتری۔

قدموں کی چاپ اب ختم ہو چکی تھی۔ نیچے کوئی نہیں تھا۔

مگر ڈائننگ روم کی روشنی جل رہی تھی۔

زہرہ نے دروازے کے شگاف سے اندر جھانکا تو منظر غیر متوقع تھا۔ ریحان سر براہی کرسی پر بیٹھا تھا، جیسے یہ اس کا وقت اور اس کی جگہ ہو۔ سامنے کپ رکھا تھا، جس سے ہلکی سی بھاپ اٹھ رہی تھی۔

زہرہ نے اتھل پتھل ہوتی سانسوں کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔ "آپ نے ابھی کسی کو یہاں سے۔۔۔ موم بتی لیے گزرتے دیکھا؟"

ریحان نے اسے ایسی نظر سے دیکھا جیسے اس نے کوئی ایسی بات کہہ دی ہو جو سنگِ سراب میں بھی عجیب سمجھی جائے۔ "ایک بار پھر کہو، کون؟"

"مجھے نہیں پتہ۔" زہرہ نے جلدی سے کہا۔ الفاظ آگے پیچھے بھاگتے، بے ہنگم انداز میں اس کے ہونٹوں سے ادا ہونے لگے۔ "میں نے کھڑکی سے دیکھا۔ سفید پردوں کے بیچ سے۔ ایک لڑکی جیسا سایہ، ہاتھ میں موم بتی۔ قدموں کی آواز۔۔۔ سیڑھیوں کی طرف گئی۔ پھر عطر کی خوشبو۔"

ریحان نے پلکیں جھپکیں۔ "اگر کوئی موم بتی لے کر جا رہا تھا تو اس میں عجیب کیا ہے؟"

زہرہ کے لہجے میں تیزی آئی۔ "آدھی رات کو اوپر کون جا رہا ہے؟ اور اگر یہ عام بات ہے تو پھر کل رات پائل کی جھنکار؟ آج رات یہ! کچھ تو ہے جو سمجھ نہیں آ رہا۔ رات کے کھانے کے بعد تو ملازم بھی اندر نہیں آتے۔" سنگِ سراب کے اندر ہی عقبی حصے میں سرونٹ کوارٹر تھا۔

ریحان نے ہنسی دبا کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کوئی پرانی روح ہو۔"

زہرہ اسے گھور کر رہ گئی۔ "پرانی کیوں؟"

ریحان نے شانے ذرا سا جھٹکے۔ "کیونکہ یہاں آخری موت ہوئے کافی عرصہ بیت چکا۔ کوئی پرانا بھوت ہی آ سکتا ہے۔"

زہرہ کے چہرے پر حیرت اور ناگواری ایک ساتھ آئی۔ "آپ کو یہ ہنسنے والی بات لگتی ہے؟"

ریحان نے کپ کی طرف دیکھا، پھر اسے۔ "یہاں سنجیدگی نے سب کو تھکا دیا ہے۔ ہنسی یہاں کی ضرورت ہے، ورنہ سنگِ سراب سر پر آ گرتا ہے۔"

زہرہ نے اچانک پوچھا۔ "ویسے آپ کتنے بہن بھائی ہیں؟"

ریحان کے چہرے کی ساری بے فکری ایک جھٹکے میں کھنچ گئی۔ زہرہ کو اس کے دیکھنے کا انداز بڑا عجیب سا لگا۔ وہ نظر مختصر تھی مگر سخت تھی۔

کرسی پیچھے کو سرکاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

زہرہ نے ہڑ بڑا کر کہا۔ "میں نے کچھ غلط۔۔۔"

مگر ریحان ایک لفظ کہے بغیر باہر نکل گیا۔ کمرے میں بس کپ کی بھاپ رہ گئی اور روشنی، جواب پہلے سے زیادہ بے وجہ لگ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

صبح ناشتے کی میز پر پھر وہی ترتیب تھی: زہرہ اور آرزو۔

زہرہ نے پراٹھے کا نوالہ توڑے بغیر کہا۔ "میں نے رات ریحان سے پوچھا کہ کتنے بہن بھائی ہو، جانے کیوں اسے برا لگا۔ بنا کچھ کہے اٹھ کر چل دیا۔"

آرزو نے کپ میز پر رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔ "ظاہر ہے، تم نے سوال ہی ایسا کیا۔"

زہرہ نے چونک کر کہا۔ "کیوں؟"

آرزو کی آواز میں اداسی نمایاں تھی۔ "ان کی ایک بہن تھی۔ پندرہ سال کی عمر میں مر گئی۔"

کپ کی طرف بڑھتا زہرہ کا ہاتھ ساکت ہوا۔ "وہ کیسے؟"

آرزو نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "عجیب سی بیماری۔ شروع میں بس تھکن اور چکر۔ پھر بھوک ختم ہو گئی، پیٹ میں مروڑ رہنے لگے۔ چند ہفتوں میں اس کے بال تیزی سے جھڑنے لگے، جیسے بدن میں سے زندگی کے ساتھ کچھ اور

بھی چھن رہا ہو۔ ہاتھ پاؤں میں سنسناہٹ، کمزوری، اور کبھی کبھار دل کی دھڑکن ایسی بے ترتیب کہ سب گھبرا جاتے۔ ڈاکٹر کہتے رہے خون کم ہو گیا ہے، اعصاب کمزور ہیں۔۔۔ مگر وجہ کسی کو نہیں ملی۔"

زہرہ نے آہستہ سے کہا۔ "اتنی کم عمر میں۔"

آرزو نے ہونٹ دبا لیے۔ "اس گھر میں کم عمر لوگ بھی بوڑھوں کی طرح مر جاتے ہیں۔"

زہرہ نے دل میں حساب لگایا: بہن پراسرار بیماری سے مر گئی، پہلی بیوی نے خودکشی کر لی، جبکہ سنگِ سراب کی راتیں ہر بار کچھ نیا دکھانے پر تُلی رہتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

شام ڈھلنے لگی تھی۔ ڈرائنگ روم میں مدھم سی روشنی تھی۔

زہرہ صوفے کے کنارے بیٹھی، انگلیوں میں دوپٹے کا پلو مروڑتی، ساتھ والے ماسٹر بیڈ روم سے آنے والی سرگوشیوں پر کان دھرے بیٹھی تھی۔ یہ حارث اور آرزو کا کمرہ تھا۔

ریحان کا کمرہ بھی اسی راہداری میں تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ڈاکٹر معائنے کے لیے آیا تھا۔ زہرہ نے صرف دروازہ کھلنے بند ہونے کی آوازیں سنیں اور پھر ڈاکٹر کی سنجیدہ مگر مطمئن سی گفتگو۔

کچھ ہی دیر بعد پہیوں کی ہلکی سی چرچراہٹ قریب آئی۔ مہرو وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی آرزو کو ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ آرزو کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ تھی، جیسے کمرے میں آتے ہی اس نے ہوا میں بکھری گھبراہٹ کو ہنس کر اڑا دیا ہو۔

زہرہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ "ڈاکٹر کیا کہہ رہے تھے؟"

آرزو نے ہاتھ کے اشارے سے مہرو کو روک کر خود جواب دیا۔ "کہہ رہے ہیں ہڈی کا جوڑ اچھا بن رہا ہے۔ بس ابھی دو ہفتے اور احتیاط چاہیے۔"

زہرہ نے لاشعوری طور پر اس کی ٹانگ کی طرف دیکھا۔ ''دو ہفتے اور۔۔۔ پھر چل سکو گی؟"

آرزو نے ہنستے ہوئے، جیسے بات کو معمولی بنانا چاہا، کہا۔ "ڈاکٹر کے مطابق دو ہفتوں بعد میں آہستہ آہستہ وزن ڈالنا شروع کر سکوں گی۔ بس جلدی نہیں کرنی۔"

زہرہ نے نشست کے بازو پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے پوچھا۔ "پلستر کب تک رہا تھا؟"

آرزو نے سانس لے کر جیسے حساب لگایا۔ "فریکچر کے بعد تقریباً چھ ہفتے پلستر رہا تھا۔ پھر پلستر اتر گیا تو ڈاکٹر نے کہا کہ چند ہفتے تک وزن نہیں ڈالنا، بس فزیو تھراپی اور ہلکی حرکتیں۔ اب یہی مرحلہ رہ گیا ہے کہ ہڈی مضبوط ہو جائے اور پٹھے دوبارہ طاقت پکڑیں۔"

زہرہ کی پیشانی پر فکر کی لکیر گہری ہوئی۔ "کیا احتیاط کرنا ہو گا؟"

آرزو نے سنجیدگی سے کہا۔ "ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ٹخنے کو زیادہ دیر نیچے لٹکانے سے سوجن ہو جاتی ہے، اس لیے جب بھی بیٹھوں یا لیٹوں تو ٹانگ تھوڑی اونچی رکھوں۔ وزن ڈالوں تو بس اتنا جتنی اجازت ہے، بغیر سہارے کے بالکل نہیں۔ اور اگر درد یا سوجن بڑھ جائے تو فوراً آرام کیا جائے۔"

اس نے اپنی ہتھیلی سے گھٹنے کے قریبی حصے کو ہلکا سا تھپتھپایا۔ "اور روزانہ جو ورزشیں بتائی ہیں، وہ کرنی ہیں۔ انگلیاں ہلانا، ٹخنے کی ہلکی حرکت، اور جو فزیو تھراپسٹ نے سکھایا۔"

مہرو نے ایک نظر زہرہ کو دیکھا، پھر جیسے سمجھ گئی کہ باتیں آگے بڑھنے والی ہیں۔ وہ خاموشی سے پانی کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہوا تو ڈرائنگ روم میں ایک عجیب سا سنّاٹا پھیل گیا۔

زہرہ نے گلا کھنکارا۔ "آرزو، ایک بات پوچھوں؟"

آرزو کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ "پوچھو۔"

زہرہ نے آواز آہستہ رکھی، جیسے دیواروں کے بھی کان ہوں۔ "یہاں کی راتیں بہت عجیب ہیں۔ کبھی پائل کی جھنکار سنائی دیتی ہے اور کبھی کچھ اور۔"

آرزو نے پلکیں جھپکائیں، پھر ہنس پڑی۔ اس ہنسی میں خوشی کم اور پرانی تھکن زیادہ تھی۔ "پائل؟"

زہرہ نے جلدی سے سر ہلایا۔ "ہاں۔ کبھی یوں لگتا ہے جیسے راہداری میں کوئی چل رہا ہو۔ کبھی سیڑھیوں کی طرف۔ اور۔۔۔" اس نے وقفہ لیا، جیسے حوصلہ اکٹھا کر رہی ہو۔ "کل رات مجھے لگا کسی کے ہاتھ میں موم بتی ہے۔ دھیمی سی روشنی۔ جیسے کوئی۔۔۔ ہیولا موم بتی لیے جا رہا ہو۔"

آرزو نے ایک لمحہ زہرہ کو دیکھا۔ پھر اس کے چہرے پر وہی جانا پہچانا سا تاثر ابھرا، جیسے زہرہ نے کوئی نئی بات کہنے کی بجائے، ایک پرانا دروازہ دوبارہ کھول دیا ہو۔ "پہلے میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔"

زہرہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ "پہلے؟ اور اب؟"

آرزو نے سر نفی میں ہلایا۔ "اب نہیں۔"

زہرہ کے لہجے میں بے اختیار شکایت در آئی۔ "اب میرے ساتھ جو ہونے لگا ہے۔"

آرزو نے تھوڑا سا آگے جھک کر، جیسے اسے سمجھانا چاہتی ہو، کہا۔ "نہیں۔ دراصل تمہارے آنے سے بھی پہلے

۔۔۔میری اس وہم سے جان چھوٹ گئی تھی۔"

زہرہ نے آہستگی سے سوال کیا۔"وہم؟"

آرزو نے نظریں کھڑکی کے شیشے پر جمادیں، جیسے وہاں کسی اور وقت کا عکس نظر آرہا ہو۔"یہ ایسی روح ہے جو صرف اُسے دکھائی دیتی ہے۔۔۔جو اسے دیکھنا چاہے، سونگھنا چاہے۔"

زہرہ چونک گئی۔"سونگھنا؟"

آرزو نے پلٹ کر اسے دیکھا۔"ہاں۔"

زہرہ نے بے اختیار پوچھا۔"کیا تمہیں بھی عطر کی خوشبو آتی تھی؟"

آرزو نے بہت سادگی سے کہا۔"آتی تھی۔"پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے جیسے ہوا میں لہر بنائی۔"ایک مخصوص سی خوشبو۔ کبھی راہداری میں، کبھی سیڑھیوں کے پاس۔"

زہرہ کی آواز کانپ گئی۔"پھر۔۔۔کیا کرنا چاہیے؟"

آرزو نے کندھے اچکائے۔"بس اسے نظر انداز کرو۔"آنکھوں میں ایک لمحے کو سختی آگئی۔"ورنہ میری طرح وہیل چیئر پر آجاؤ گی۔"

زہرہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔"یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

آرزو نے گہرا سانس لیا۔"میں بھی آدھی رات کو اس کے تعاقب میں سیڑھیوں پر چل دی تھی۔میرے معاملے میں۔۔۔یہ سیڑھیوں سے اوپر جاتی تھی۔"

زہرہ ساکت رہ گئی۔"تم اس کا پیچھا کرتی اوپر گئی تھی؟"

آرزو نے سر ہلایا۔ "اوپر گئی۔ کوئی نہیں تھا۔ میں لوٹنے ہی والی تھی کہ مجھے لگا کسی نے مجھے دھکا دیا۔"

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"تم بھاگ جاتیں۔" پھر آرزو نے آنکھیں نیچی کر لیں۔ "مجھے حارث پر شک ہوا۔" وہ جلدی سے بولی۔ "میں دیکھ نہیں پائی تھی۔ اور آدھی رات کو گھر کے اندرونی حصے میں۔۔۔ ہمارے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا؟"

زہرہ نے جیسے خود کو سنبھالا۔ "اور اب؟ اب تمہاری رائے بدل چکی ہے؟"

آرزو کی آواز نرم ہو گئی۔ 'ہاں۔"

وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر دھیرے سے بولی۔ "حارث میرے لیے اتنے فکر مند رہتے ہیں کہ مجھے احساس ہوا وہ میرا کبھی برا نہیں چاہ سکتے۔" اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ممکن ہے مجھے ٹھوکر لگی ہو، یا توازن بگڑ گیا ہو۔ کچھ بھی ہوا ہو، لیکن وہ حارث نہیں تھا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اگلے دن شام کے وقت سنگِ سراب سے کچھ ہی فاصلے پر واقع قبرستان کی طرف گاڑی مڑی۔ سورج ڈھل رہا تھا، آسمان پر نارنجی اور سرمئی رنگوں کی پٹیاں تھیں اور ہوا میں مٹی اور سوکھی گھاس کی بُو گھلی ہوئی تھی۔ حارث نے گاڑی کچی پگڈنڈی کے کنارے روک دی۔ تینوں اترے تو سامنے ایک بوسیدہ سا لوہے کا گیٹ تھا، جس کی سلاخوں پر زنگ نے پرانی کہانیوں کی طرح تہہ جما رکھی تھی۔ گیٹ ذرا سا چرچرا کر کھلا اور وہ اندر چلے گئے۔

قبرستان چھوٹا نہیں تھا، مگر خاموشی ایسی کہ قدموں کی آواز بھی جیسے دور تک جاتی ہو۔ ٹوٹی ہوئی کچی پگڈنڈی کے دونوں طرف ٹیڑھی میڑھی قبریں، کہیں کائی لگی ہوئی، کہیں پتھر کے کتبے پر نام دھندلے، اور کہیں جڑوں نے

مٹی کو ایسے پکڑ رکھا تھا جیسے رازوں کو تھام رکھا ہو۔ بیچ بیچ میں جنگلی جھاڑیاں تھیں، کچھ پر ننھے زرد پھول، اور کچھ پر سوکھے پتے جو ذرا سی ہوا میں کانپ اٹھتے۔

حارث چند قدم چل کر رکا۔ اس کے سامنے دو قبریں تھیں۔ ایک کے کتبے پر صاف لکھا تھا: ناعمہ حارث مرزا۔

دوسری کے کتبے پر: حنا مرزا۔

زہرہ کی نگاہ دونوں قبروں پر ٹھہر گئی۔ ہر قبر پر ایک سیاہ گلاب رکھا تھا۔ وہ بے اختیار جھکی اور انگلیوں سے گلاب کی مخملی پنکھڑی کو چھو لیا۔ نہ وہ سوکھا ہوا تھا نہ تازہ ہونے کی تیز چمک تھی، بس ایک گہرا، پراسرار سا رنگ۔ زہرہ نے حیرت سے آرزو کی طرف دیکھا۔

حارث کی آواز پر سکون تھی، جیسے وہ اس منظر کی تلخی کو بھی معمول کی طرح نبھا رہا ہو۔ "ہم عادی ہو چکے ہیں۔ جب بھی ان میں سے کسی ایک کی برسی ہوتی ہے۔۔۔ کوئی یہاں سیاہ گلاب رکھ جاتا ہے۔"

زہرہ کے دل میں ایک سوچ چبھ گئی۔ سیاہ گلاب تو جنون کی علامت ہے۔ یا پھر اختتام کی۔

مثبت معنی لیا جائے تو نئی شروعات کی۔

اس کی نظریں ہاتھ میں تھامے گلاب کی پنکھڑیوں میں الجھ کر رہ گئیں اور ذہن میں وہ باتیں گونجنے لگیں جو اس نے کبھی کتابوں اور لوگوں کی باتوں سے سنی تھیں: سیاہ گلاب حقیقتاً فطرت میں بہت کم ملتا ہے۔ اکثر یہ گہرے سرخ یا جامنی گلاب ہوتے ہیں جو اندھیرے میں یا مخصوص روشنی میں سیاہ دکھائی دیتے ہیں، اور کچھ اقسام انسان نے خود کاشت کر کے پیدا کیں۔ دنیا میں ترکی کے ایک قصبے کے گلاب مشہور ہیں جو اپنی مٹی اور موسم کی وجہ سے بہت گہرے رنگ کے دکھتے ہیں، اسی لیے انہیں لوگ 'سیاہ' کہتے ہیں۔ معنی میں یہ پھول سوگ، جدائی، راز اور

'اختتام' کی نشانی سمجھا جاتا ہے، مگر کبھی کبھار اسی میں ضدی محبت اور جنون کا رنگ بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ شاید اسی لیے یہ پھول ایک طرف خاموش ماتم ہے اور دوسری طرف کسی کے اٹل لگاؤ کی گواہی۔

زہرہ نے ہمت کر کے پوچھا۔ "یہ کون ہو سکتا ہے؟"

آرزو نے دونوں قبروں پر نظر ڈالی، پھر دھیرے سے کہا۔ "ان دونوں کا کوئی بہت قریبی۔"

واپسی پر تینوں گاڑی میں بیٹھے تو باہر کا اندھیرا تیزی سے گہرا ہو رہا تھا۔ حارث نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ زہرہ نے سرگوشی میں آرزو سے پوچھا۔ "یہ ریحان آج قبرستان کیوں نہیں آیا؟"

آرزو نے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ نہیں آیا کرتا۔ ہم ہر بار اصرار کرتے ہیں۔۔۔ وہ ہر بار انکار۔"

زہرہ کی بھنویں اٹھ گئیں۔ "کیوں؟"

آرزو کی آواز میں ایک عجیب سی سنجیدگی آ گئی۔ "وہ کہتا ہے قبرستان۔۔۔ اکیلے ہی جانا چاہیے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح ناشتے سے کچھ پہلے، ابھی فجر کے بعد کی نیم تاریکی پوری طرح چھٹی نہیں تھی۔ زہرہ کچن کی طرف جانے والے راستے سے گزری تو اندر سے آتی سرگوشیاں اس کے قدموں کی زنجیر بن گئیں۔ کچن ذرا سائیڈ پر تھا، اس لیے وہاں کام کرنے والوں کو توقع نہیں ہوتی تھی کہ اتنی صبح کوئی اس طرف کا رخ کرے گا۔

دروازہ پوری طرح بند نہیں تھا۔ اندر سے ایک عمر رسیدہ ملازمہ کی دھیمی مگر پختہ آواز آ رہی تھی اور ساتھ ایک نوجوان ملازم کی حیران سی سرگوشی۔

"حارث کی پہلی بیوی ناعمہ کو نیند کی گولیاں کھلائی گئی تھیں۔" بوڑھی عورت نے کہا۔

"لیکن سب کا یہی ماننا ہے کہ اس نے خودکشی کی۔" لڑکے نے برجستہ جواب دیا۔

بوڑھی عورت نے ناک سے ہنکارا۔ "نہیں۔ رات کی کافی میں گولیاں چورا کر کے ڈالی گئی تھیں۔"

لڑکے کے لہجے میں انکار تھا۔ "ایسے کیسے مان لیا جائے؟"

"ماننا نا ماننا تمہاری عقل پر منحصر ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "برتن فوراً اٹھا لیے گئے تھے۔"

لڑکے نے مزید دب کر پوچھا۔ "یہ کام کس نے کروایا ہوگا؟"

بوڑھی عورت نے ایک لمحہ توقف کیا۔ "نہیں معلوم۔"

زہرہ کے ذہن میں روشنی کا جھماکا ہوا۔ خاتون بی بی یہ گھر کی ہاؤس کیپر تھیں۔ یہاں کے پرانے ملازمین میں سے ایک۔

لڑکے نے ہلکا سا قہقہہ دبایا۔ "دادی۔۔۔ آپ بھی نا، ہر بات کو ڈرامائی رنگ دینے کی کوشش کرتی ہیں۔"

خاتون بی بی نے آہ بھری۔ "ڈرامہ نہیں۔ اتنا ضرور جانتی ہوں کہ ڈاکٹر کو خاموش کرایا گیا تھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں تھا کہ یہ ثابت گولیاں نہیں تھیں۔ چورا کی گئی گولیاں تھیں تبھی فوراً اثر کر گئیں۔"

لڑکا ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ "ڈاکٹر کو کیوں خاموش کرایا گیا؟ اس گھر کی عورت کا قتل ہوا۔۔۔ قاتل کو شناخت کروانے کی لگن کسی ایک میں بھی نہیں تھی؟"

"تب بڑے صاحب زندہ تھے، مرزا صاحب۔" خاتون بی بی کی سرگوشی مزید دھیمی ہوئی۔ "جہاندیدہ انسان تھے۔ سمجھ گئے کہ گھر کے ہی کسی فرد کی کارستانی ہے۔ تفتیش ہوتی تو خاندان کا نام بدنام ہوتا۔"

"کافی میں چورا کی گئی گولیاں تھیں یا نہیں، یہ رپورٹ میں پتہ چلتا ہے؟"

خاتون بی بی نے بے بسی سے کہا۔ "رپورٹ میں بس یہ لکھا تھا کہ گولیاں جب لی گئیں تو ثابت نہیں تھیں، اسی لیے اثر تیزی سے ہوا۔"

لڑکا فوراً بولا۔ "ہاں، آپ کو کیسے پتہ؟" پھر اندازِ قدرے چھیڑنے والا ہو گیا۔ "دیواروں سے کان لگا کر سننے والوں کو آدھی معلومات ہی ہاتھ لگتی ہیں۔"

زہرہ چونک کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

خاتون بی بی بولی۔ "میں کمرے میں کسی کام سے گئی تھی۔ نائمہ کتاب پڑھتے ہوئے کافی پی رہی تھی۔ خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔"

لڑکے نے جیسے آخری کڑی جوڑی۔ "حارث صاحب کہاں تھے اُس وقت؟"

خاتون بی بی نے فوراً کہا۔ "وہ شہر گئے ہوئے تھے۔ شام کو ہی نکلے تھے۔"

لڑکے کے لہجے میں بدگمانی اتر آئی۔ "مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے۔۔۔ موجود نہ ہونے کا راستہ نکال لیا تھا؟ انگریزی میں کیا بھلا لفظ استعمال ہوتا ہے۔۔۔؟"

"Alibi."

"واہ دادی، آپ کی انگریزی دیواریں پھلانگنے لگی ہے۔" پھر رکا۔ "حارث صاحب واقعی ذہین ہیں۔ کہتے ہیں نا ۔۔۔ شادی شدہ عورت قتل ہو تو پہلا شک شوہر پر ہی کرنا چاہیے۔"

"جا بیوقوف! وہ حارث نہیں، کوئی اور ہے۔"

زہرہ کے ہاتھ سرد پڑنے لگے۔ اسے احساس ہوا کہ وہ اگر ایک قدم بھی آگے بڑھی یا ایک لمحہ مزید ٹھہری تو اس کی

موجودگی ظاہر ہو جائے گی۔ وہ دبے قدموں واپس مڑی، اسی خاموشی کے ساتھ جس میں وہ یہاں تک آئی تھی۔

ناشتے کے بعد زہرہ نے آرزو سے بس اتنا کہا۔ "لان میں چلیں؟ تم سے کچھ پوچھنا تھا۔"

تھوڑی دیر بعد لان کی ٹھنڈی دھوپ میں وہ دونوں موجود تھیں۔ مہرو وہیل چیئر دھکیلتی آئی تھی، مگر زہرہ نے اسے اپنے ہاتھ میں لیتے مہرو کو رخصت کر دیا۔

جیسے آج اسے خود یہ راستہ طے کرنا ہو۔ لان میں رکھی کرسیوں کے پاس وہ رکی، آرزو کی جگہ سیٹ کی اور پھر خود سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

زہرہ نے بنا تمہید کے پوچھا۔ "حنا مرزا کی بیماری کے دوران کسی کو شک نہیں ہوا؟"

آرزو نے چند لمحے زہرہ کی طرف دیکھا۔ "کس قسم کا شک؟"

"یہی کہ کسی نے زہر تو نہیں دیا؟" زہرہ کے لہجے کی بے چینی چھپ نہ سکی۔ "کیا اس دور میں یہ معلوم کرایا جا سکتا تھا کہ بیماری کہیں سلو پوائزننگ کے باعث تو نہیں؟"

آرزو نے آہستگی سے کہا۔ "اگر کسی کو یہ خیال آتا تو ٹیسٹ کروائے جا سکتے تھے۔ تشخیص ممکن تھی۔"

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

آرزو جیسے الفاظ چنتے بولی۔ "شروع میں کسی نے بھی اس بیماری کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا۔ سب کو لگا حنا ٹھیک ہو جائے گی۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے سب اسے ایک بیماری ہی سمجھے تھے۔ ڈاکٹر بھی آئے دن بدلا جاتا۔ بیچ میں قدرتی علاج کا سہارا بھی لیا گیا۔ حکیم، جڑی بوٹیاں وغیرہ۔"

زہرہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "تمہیں یہ سب کس نے بتایا؟"

آرزو نے سرگوشی میں کہا۔ "خاتون بی بی نے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

حارث کے نہایت قریبی دوست کی شادی تھی، آرزو کا بھی اس فیملی سے میل ملاپ تھا، اس لیے اس کا جانا بھی ضروری تھا۔ وہ فریکچر کا بہانہ کر دیتی تو چلتا۔۔۔ لیکن وہ واقعی جانا چاہتی تھی۔ آرزو کے ساتھ مہرو کا جانا بھی ناگزیر ٹھہرا۔

گھر کی گہما گہمی ان کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی۔ سنگِ سراب ایک بار پھر اپنی خاموشی میں ڈوب گیا۔ زہرہ نے کچھ دیر لان میں وقت گزارا۔ دھوپ نرم تھی، گھاس پر اوس کی ہلکی نمی تھی اور ہوا میں پھولوں کی ملتی جلتی خوشبو۔ مگر آج اس کے اندر سکون نہیں تھا، بس سوال تھے، اور سوالوں کی گونج۔

اسی بے چینی میں وہ دوسری منزل کی طرف چلی آئی۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے یاد آیا کہ اوپر والی لائبریری کا ذکر تو سنا تھا، مگر وہ کبھی وہاں گئی نہیں تھی۔ راہداری کے موڑ پر ایک چوڑا سا دروازہ آیا، اور اس کے پار۔۔۔ ایسی جگہ جیسے وقت نے خود کو کتابوں میں سمیٹ رکھا ہو۔

لائبریری خوبصورت تھی۔ دیواروں کے ساتھ لمبے شیلف تھے جن میں نئی اور پرانی کتابیں ایک ساتھ یوں کھڑی تھیں جیسے نسلیں کندھے سے کندھا ملا کر راز سنبھالے بیٹھی ہوں۔ کہیں جلدوں پر سنہری حروف ماند پڑ گئے تھے، کہیں نئے سرورق کی چمک آنکھ میں چبھتی تھی۔ درمیان میں ایک سیٹی، پانچ سیٹر صوفہ، اور سامنے آتش دان۔۔۔ جو اس وقت گل تھا مگر اس کی راکھ آلود اینٹوں میں کسی پرانی گرمی کی یاد باقی تھی۔

زہرہ نے آہستگی سے ایک کتاب نکالی۔ جلد پر ہلکی سی گرد تھی۔ کتاب کو سینے سے لگائے، کھڑکی کے قریب رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔ باہر دھندلی روشنی تھی، اندر کاغذ کی بُو اور معنی خیز خاموشی۔

وہ پڑھتے پڑھتے صفحہ نمبر ستر پر پہنچی تو اس کی نگاہ ٹھٹک کر رکی۔ چند لفظوں پر ہلکی سی سیاہی ملی ہوئی تھی، جیسے چھوٹے قطروں کی صورت سیاہ پانی گرا ہو اور وہ کاغذ میں اتر کر جذب ہو گیا ہو۔ کنارے میں کسی کے ہاتھ کی لکھائی تھی۔

"یہ آنسو تمہاری بیوفائی میں بہائے ہیں۔ جانتی ہوں تم بیوفا نہیں، لیکن پھر بھی۔۔۔ یہ سب نہ ہوا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا!"

زہرہ کے ہاتھ میں جیسے کتاب کا وزن بڑھ گیا، دل میں ایک ٹھنڈ سی اُتری۔ وہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی، کتاب بند کی ۔اپنے کمرے کی طرف جانے کو پلٹی ہی تھی کہ نظر راہداری کی دوسری سمت پڑی۔

اس طرف وہ کبھی نہیں گئی تھی۔ آج پہلی بار اس نے غور کیا کہ یہاں کا حصّہ کتنا سنسان ہے۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتی آگے بڑھی۔ دو کمرے آمنے سامنے تھے۔ دونوں دروازوں پر بھاری تالے لگے تھے، جیسے اندر کی ہوا کو بھی قید کر لیا گیا ہو۔

اسی رات ڈنر پر سب ایک ہی میز پر تھے: حارث، آرزو، ریحان اور زہرہ۔ باتیں چل رہی تھیں اور کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو نے چاروں کے گرد احاطہ کر رکھا تھا۔ اس سب کے بیچ، زہرہ کی نگاہ بار بار ریحان پر جا کر ٹھہر جاتی۔ آخر اس نے پلیٹ کے کنارے پر انگلی رکھ کر، بہت آہستگی سے، تقریباً سرگوشی میں پوچھا۔ "دوسری منزل پر آخری سرے پر موجود۔۔۔ وہ دو کمرے لاکڈ کیوں ہیں؟"

ریحان نے ایک لمحہ گردن سیدھی کی۔ پھر وہ بھی سرگوشی میں بولا۔ "دائیں جانب والا، حنا، ہماری بہن کا تھا۔ "اس کی آنکھوں میں ایک سایہ سا اتر آیا۔ "اور دوسرا۔۔۔ جب حارث اور نائمہ اوپر رہا کرتے تھے، وہ ان دونوں کا کمرہ تھا۔"

زہرہ نے فوراً اگلا سوال کیا۔ "پھر حارث بھائی نیچے کیوں آ گئے؟"

ریحان کے لبوں پر ایک کڑوا سا تاثر آیا۔ اس نے نظریں پلیٹ پر رکھیں، پھر غصّے میں دبی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیونکہ وہ اب۔۔۔ اس مردہ عورت کا کمرہ ہے۔ جو ان کی پہلی محبت تھی۔"

زہرہ نے بلا تامل کہا۔ "مجھے ان کمروں کی چابیاں چاہییں۔"

ریحان نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کے ذہنی توازن پر شک ہو۔ "تم میری سوچ سے زیادہ ضدی اور پر تجسس لڑکی ہو۔"

زہرہ کے چہرے کے تاثرات بالکل بھی نہیں بدلے۔ "میں نے اس سے کب انکار کیا؟ بس مجھے چابیاں دلوانے کا کام تمہارے ذمہ ہے۔"

****

اگلے دن ناشتے کے بعد حارث اور آرزو نے تیار ہو کر قریبی شہر، گجرات، کا رخ کیا۔ مہرو بھی ساتھ تھی، کیونکہ آرزو کی دیکھ بھال وہی زیادہ اچھے طریقے سے کر سکتی تھی۔ یہ دورہ حارث اور آرزو کی آنے والی شادی کی سالگرہ کے سلسلے میں تھا۔ شادی کی پہلی سالگرہ کی شاپنگ۔ کھانا بھی باہر ہی کھانے کا ارادہ تھا۔

ڈرائیور نے گاڑی شہر کے اُس حصے میں آہستہ کر دی جہاں دکانوں کی قطاریں شروع ہوتی تھیں۔ سوہاوہ سے نکل کر یہ شہر انہیں اپنا سا لگتا تھا، مگر آج کے دن کا مقصد عام نہیں تھا۔ حارث نے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے مختصر سا کہا۔ "یہیں ہے۔"

گاڑی رکی تو ڈرائیور فوراً اترا، ڈِکی کھولی اور وہیل چیئر نکالتے ہوئے اسے احتیاط سے سامنے کر دیا۔ مہرو بھی ساتھ ہی نیچے آئی، ہاتھ میں چھوٹا سا بیگ تھا اور چہرے پر وہی ذمہ داری والی سنجیدگی۔

آرزو کو سہارا دے کر وہیل چیئر پر بٹھایا گیا تو اس نے بے اختیار کہا۔ "کیا ضرورت تھی خود کو اور دوسروں کو اتنی زحمت میں ڈالنے کی؟"

حارث نے اس کے سامنے جھک کر شال کا کونہ درست کیا۔ "تم تو چند ہفتوں میں چلنے پھرنے لگو گی۔ یہ موقع لوٹ کر نہیں آئے گا۔"

آرزو نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

سلے سلائے کپڑوں کی جدید دکان کے باہر پہنچتے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ اطلاع پہلے سے ہے۔ شیشے کے دروازے کے ساتھ ایک ہموار راستہ بنایا گیا تھا۔ اندر سے ایک آدمی فوراً نکل کر باہر آیا۔ "سر، میڈم، خوش آمدید۔ راستہ ادھر سے ہے۔"

مہرو نے بغیر کسی اضافی لفظ کے وہیل چیئر کے ہینڈل پکڑے اور اسے اندر لے گئی۔ حارث ساتھ رہا۔ کبھی آرزو کی طرف دیکھتا، کبھی ان ہینگروں کی جانب جن میں جدید تراش خراش کے سلے ہوئے لباس لٹکے ہوئے تھے، جیسے وہ چاہتا ہو کہ آج کے دن میں کہیں بھی۔۔۔ کوئی کمی نہ رہے۔

کچھ دیر بعد جب خریداری مکمل ہو گئی، گاڑی انہیں شہر کے ایک ایسے ہوٹل کے سامنے لے آئی جہاں روشنیاں مدھم تھیں اور دروازے پر خاص سجاوٹ۔ اندر داخل ہوتے ہی ہلکی موسیقی اور خوشبو کا نرم سا پردہ ملتا تھا۔ لنچ کے لیے میز پہلے ہی بک تھی۔

ان کی میز ایک نسبتاً خاموش گوشے میں تھی۔ کچھ فاصلے پر مہرو دوسرے ٹیبل پر بیٹھی تھی، ہاتھ میں مینیو تھا۔

آرزو نے دور سے اسے دیکھا تو دھیمی آواز میں حارث سے کہا۔ "وہ بیچاری اکیلے بیٹھ کر کھائے گی؟"

حارث کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "تمہاری یہی باتیں گرویدہ کیے ہوئے ہیں۔" وہ رکا، ایک نظر مہرو کو دیکھا۔ "وہ عادی ہے۔ میں اور نائمہ بھی آتے تو ساتھ آنے پر اسے الگ ہی بیٹھنا پڑتا تھا۔"

پھر جیسے کوئی خیال آنے پر اس نے اچانک پوچھا۔ "آرزو۔ تمہیں اب بھی لگتا ہے میں نے تمہیں سیڑھیوں سے دھکا دیا تھا؟"

آرزو نے نگاہ جھکا لی۔ "نہیں۔۔۔ وہ تو شروع کی بات تھی۔"

حارث جیسے پل بھر میں ہلکا پھلکا ہو گیا۔ "لباس بہت اچھا چنا تم نے۔"

آرزو کے لہجے میں ہلکی سی شرارت آ گئی۔ "میں نے نوٹ کیا ہے آپ کو مجھ پر میرون رنگ اچھا لگتا ہے۔"

حارث نے چونک کر دیکھا۔ "تمہیں کیسے معلوم؟"

"سب کے سامنے گھورتے ہیں۔"

حارث بے اختیار ہنس دیا۔

لنچ کے بعد وہ دوبارہ اسی شاپنگ پلازہ کی طرف آ گئے جہاں مختلف دکانیں ایک ہی چھت کے نیچے تھیں۔ باہر والی پارکنگ میں گاڑی رکی تو حارث نے گردن موڑ کر آرزو کو دیکھا، "مجھے تمہارے لیے ایک خاص گفٹ لینا ہے۔ تم مہرو کے ساتھ یہیں رکو۔"

آرزو نے فوراً کہا۔ "گفٹ تو مجھے بھی لینا ہے۔" پھر اس نے مہرو کی طرف دیکھ کر اضافہ کیا۔ "مہرو میرے ساتھ ہو گی۔ ہم ٹھیک آدھے گھنٹے بعد پارکنگ ایریا میں آ جائیں گے۔"

حارث نے سنجیدگی سے مہرو کو ہدایت دی۔ "دھیان رکھنا۔" پھر آرزو کی طرف جھک کر دھیمے سے پوچھا۔ "پیسے ہیں؟"

آرزو نے بے فکری سے سر ہلایا۔ "ہاں، کافی ہیں۔"

حارث نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی، پھر پلٹ کر تیز قدموں سے پلازہ کے اندر اُس گلیارے کی طرف بڑھ گیا جہاں زیورات کی دکانیں تھیں۔

اُدھر مہرو وہیل چیئر کو دھکیلتی آسان ڈھلان والے راستے سے پلازہ کے اندر لے گئی۔ جا کر ایک ایسی دکان کے سامنے روکا جس کے بورڈ پر 'واچ اینڈ جینٹلمین گفٹ سنٹر' لکھا تھا۔ اندر شیشے کے کاؤنٹر میں گھڑیاں، والٹ، قلم، کف لنکس اور ٹائی پن سجے تھے۔ مہرو ایک قدم پیچھے کھڑی رہی۔

آرزو نے کچھ دیر چیزیں دیکھیں۔ اس کی نظر ایک سادہ مگر نفیس گھڑی پر ٹھہر گئی۔ اس نے دکاندار سے قیمت پوچھی، پھر چند لمحوں میں خریدنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے اشارے پر مہرو وہیل چیئر دھکیلتی اسے کاؤنٹر کی جانب لے آئی۔

اس سے پہلے کہ آرزو رقم کی ادائیگی کرتی، اچانک مہرو نے کہا۔ "مجھے اپنے لیے جوتے خریدنے ہیں، وہاں وہیل چیئر کا داخلہ ناممکن ہوگا۔ رش بھی ہوگا۔ آپ بس یہیں میرا انتظار کریں۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

آرزو نے بغیر سوچے سر ہلا دیا۔ آس پاس لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی، دکان کے اندر روشنی تیز تھی، چند منٹوں میں مہرو لوٹ آتی تو وہ پارکنگ ایریا کی طرف چلے جاتے۔

وہ دوبارہ کاؤنٹر کی طرف متوجہ ہوگئی۔

رقم کی ادائیگی کی تو رسید اور ڈبہ دونوں اسے تھما دیے گئے۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے وہیل چیئر دھکیلتے اسے کاؤنٹر کے قریبی کونے میں کر دیا۔ یہاں سے وہ بآسانی داخلی دروازے پر نظر رکھ سکتی تھی۔

شروع کے چند لمحات تو یونہی گزر گئے۔ وہ کبھی خریدے ہوئے ڈبے پر ہاتھ پھیرتی اور کبھی داخلی دروازے پر نظر ڈال لیتی۔

مگر مہرو واپس نہ آئی۔

آدھا گھنٹہ۔ پھر ایک۔

آرزو کے چہرے پر بے چینی اتر آئی۔

آخر آرزو نے دکان کے ایک لڑکے کو آواز دی اور اپنا مسئلہ بیان کیا۔ اس نے مہرو کو دیکھا تھا، چہرے سے پہچانتا تھا اس لیے آرزو نے اسے جوتوں کی دکان کی جانب جا کر معلوم کرنے کو کہا۔

لڑکا فوراً باہر نکلا۔ آرزو وہیں کاؤنٹر کے پاس انتظار کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد لڑکا واپس آیا تو اس کے انداز میں ہلکی سی ہچکچاہٹ تھی۔

"میڈم، مجھے تو وہ کہیں نہیں ملیں۔ قریب کی سبھی دکانوں پر دیکھ لیا۔"

حارث کے ہاتھ میں جیولری شاپ کا چھوٹا سا ڈبہ تھا۔ وہ واپس آ کر گاڑی میں بیٹھا تو چہرے پر ایک مطمئن سا تاثر تھا، جیسے کام پورا ہو گیا ہو۔ پھر اس نے فوراً ڈرائیور کی طرف دیکھا۔ "آرزو لوگ ابھی تک نہیں آئے؟"

ڈرائیور نے گردن موڑ کر پارکنگ ایریا پر نظر ڈالی۔ "نہیں سر۔۔۔ ابھی تک تو نہیں آئے۔"

اچانک دور سے مہرو تیز قدموں سے آتی دکھائی دی۔ اس کی سانس اکھڑی ہوئی تھی، ہونٹ خشک، اور آنکھوں میں ایسی گھبراہٹ جیسے کسی نے قدموں کے نیچے سے زمین کھینچ لی ہو۔

حارث فوراً گاڑی سے باہر نکلا۔ "مہرو؟ کیا ہوا؟" بے چین نظروں نے آس پاس دیکھا۔ "آرزو کہاں ہے؟"

مہرو نے جیسے الفاظ جمع کیے۔ "میں۔۔۔ میں جوتے لینے گئی تھی۔ دکان سے نکلتے ہوئے ایک لڑکی ملی۔۔۔" سینے پر ہاتھ رکھے وہ بڑھے ہوئے تنفس کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتی دکھائی دی۔ "آنکھوں میں گہرا کاجل، ہلکا گلابی لباس۔۔۔ اس نے مجھے روکا اور کہا۔۔۔ میں نے دو بندوں کو ایک وہیل چیئر والی عورت کو گاڑی میں لے جاتے دیکھا ہے۔"

حارث پر یہ خبر بجلی کی طرح گری۔ وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹا، جیسے اس خبر اور اپنے وجود کے بیچ فاصلہ قائم کرنا چاہتا ہو۔ "یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تمہارے ساتھ تھی۔"

"مجھے اس بات کی حیرت ہوئی کہ اس لڑکی کو بھلا کیسے معلوم کہ میں آرزو جی کے ساتھ ہوں یا یہ کہ ایسی اطلاع مجھے دینی چاہیے۔"اب اس کی آواز کی لرزش کم ہونے لگی تھی۔"وہ بولی، آپ کے جاننے والوں میں سے ہے۔شادی پر بھی آئی تھی۔"

ڈرائیور بھی باہر نکل آیا۔اس نے حارث کو سنبھالنے کی کوشش کی۔"سر، ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ فوراً ان کا پیچھا کریں، یا پولیس کو مطلع کریں۔"

حارث نے چبھتی ہوئی نظر مہرو پر ڈالی۔"وہ لڑکی کہاں ہے؟"

مہرو کے گلے سے خشک سی آواز نکلی۔"بتا کر۔۔۔وہ تیز قدموں سے چلی گئی۔میں نے اسے آوازیں بھی دیں لیکن۔۔۔جانے وہ تھی کون؟نام بھی نہیں بتایا۔کچھ پوچھنے کا موقع ہی نہیں دیا۔"

ڈرائیور نے فوراً پوچھا۔"اس نے کیا بتایا وہ کس طرف گئے ہیں؟"

مہرو نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔"نہیں معلوم۔"

حارث کے لہجے میں غصہ اور خوف گڈمڈ ہو گئے۔"تم نے اسے ایک پل کو بھی اکیلا کیوں چھوڑا؟اسے کچھ ہو گیا تو؟"

مہرو کی آنکھیں بھر آئیں۔وہ زار و قطار رونے لگی، جیسے اس کے پاس اپنی صفائی کے لیے کچھ نہ بچا ہو۔

مہرو کو اس طرح روتا دیکھ کر حارث کو اپنے غلط رویے کا احساس ہوا، وہ لمحہ بھر کو نرم پڑ گیا۔تھکے ہوئے انداز میں بس اتنا کہا۔"سوری۔"

پھر دونوں کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "قریبی تھانے چلتے ہیں۔"

تھانے سے ملنے والا جواب غیر متوقع تھا۔

"دیکھیں، ابھی چند ہی گھنٹے ہوئے ہیں۔ ہم ابھی باقاعدہ ایف آئی آر درج نہیں کر سکتے، لیکن ہم اس کو روزنامچۂ گمشدگی میں فوراً درج کر لیتے ہیں۔ آپ تصویر دے دیں، نام، عمر، لباس اور آخری جگہ بتائیں۔ اپنا ایڈریس اور فون نمبر بھی دیتے جائیں۔ اگر شام تک واپس نہ آئی تو اسے لاپتہ عورت کے طور پر اگلے درجے پر لے جائیں گے۔ آپ شام میں یاد سے فون کر کے ہمیں اپ ڈیٹ کریں۔"

مہرو نے تفصیل سے ساری صورتحال بتائی، حارث نے والٹ میں لگی دونوں کی مشترکہ تصویر دکھائی کہ آرزو کو شناخت کیا جا سکے۔ پولیس کو مزید تفتیش کے لیے آرزو کی تصویر درکار تھی۔ مجبوراً حارث کو وہ تصویر وہیں چھوڑنی پڑی۔ نکلنے سے پہلے اس نے تھانے کا فون نمبر بھی لے لیا۔ سنگِ سراب میں لینڈ لائن کی سہولت موجود تھی کبھی کبھار ہی ایسا ہوتا کہ لائن خراب ہوتی۔ عموماً لاؤنج میں رکھے فون سے کالز کی جا سکتی تھیں۔

تھانے سے نکلنے کے بعد بھی حارث بہت بے چین رہا۔ اس کی ہدایات پر عمل کرتے۔۔۔ یہاں وہاں گاڑی دوڑائی گئی۔ جب کچھ ہاتھ نہ آیا تو گاڑی واپس عمارت کی طرف مڑ گئی۔

اندھیرا پھیل رہا تھا، سڑک کنارے درختوں کے سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ گاڑی کے اندر تینوں کے درمیان ایسی خاموشی تھی جیسے کسی نے ہوا روک دی ہو۔ ڈرائیور کی نظریں سڑک پر تھیں، حارث کی انگلیاں

بے اختیار نشست کے کنارے میں دھنس رہی تھیں، اور مہرو کی سسکیاں وقفے وقفے سے ٹوٹتی ہوئی سانسوں میں گم ہو جاتی تھیں۔

گیٹ کے قریب پہنچ کر ڈرائیور نے ہارن دیا۔ لوہے کے پھاٹک کے پار پہرے دار کی آواز آئی، پھر گیٹ آہستہ سے کھلا۔ گاڑی اندر داخل ہوئی تو حارث نے بے قراری سے سامنے جھک کر دیکھا، جیسے ہر موڑ پر کوئی نیا صدمہ چھپا ہو۔

وہ لاؤنج میں پہنچے تو سامنے کے منظر نے انہیں ایک لمحے کو ساکت کر دیا۔

وہیل چیئر پر آرزو بیٹھی تھی۔ اس کے پیچھے زہرہ کھڑی تھی، اور بازو میں ریحان۔ آرزو کا چہرہ قدرے زرد مگر حیرت انگیز طور پر پر سکون تھا۔

حارث نے بیتابی سے آگے بڑھ کر کہا۔ "تم۔۔۔ گھر کیسے پہنچی؟"

آرزو نے دھیمے مگر واضح لہجے میں کہا۔ "مہرو کو اپنے لیے جوتے خریدنے تھے، واپس ہی نہیں آئی۔ میرے پاس رقم بھی تھی اور دکان والے بہت اچھے تھے۔ ان کا باس آیا- عمر رسیدہ آدمی تھا۔ ساتھ اس کی اکیس سالہ بیٹی بھی تھی۔ میرے سر پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگا۔ "میرا گھر قصبے میں ہے۔ آپ کو ذرا آگے ہی جا کر چھوڑنا ہو گا، ڈراپ کر دوں گا۔"

یہ سن کر مہرو جیسے پگھل گئی۔ وہ دو قدم آگے بڑھی، آرزو کے قدموں میں بیٹھی اور گھٹنے پر سر رکھ کر زار و قطار رونے لگی۔

آرزو نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ "آخر ہوا کیا تھا؟"

حارث نے ایک سانس میں سارا قصہ سناڈالا- ہلکے گلابی کپڑوں والی لڑکی، دو بندے، گاڑی، اور پھر کچھ نہ ملنا۔ اس کے لہجے میں غصہ کم اور بے بسی زیادہ تھی۔

آرزو نے چپ چاپ سنا، پھر جیسے فیصلہ کر لیا ہو۔ "اب جب تک میں چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتی، مجھے گھر سے باہر نہیں نکلنا۔" پھر مہرو کی طرف دیکھا۔ "وہ لڑکی تھی کون آخر؟"

مہرو نے ہچکیوں کے بیچ سر اٹھایا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، مگر آواز میں حیرت بھی تھی۔ "وہ۔۔۔ بہت خوبصورت تھی، آپ سے بھی زیادہ۔" وہ رکی جیسے کسی بات کی دھار یاد آگئی ہو۔ "وہ کہہ رہی تھی۔۔۔ وہ حارث صاحب کو جانتی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اگلی شام زہرہ لان میں چہل قدمی کر رہی تھی جب گیٹ پر کچھ غیر معمولی چہل پہل کا احساس ہوا۔ وہ محتاط قدم اٹھاتی وہاں پہنچی جہاں ایک گارڈ گیٹ کا چھوٹا حصہ کھولتا کسی کو اندر لا رہا تھا جبکہ دوسرا ہدایات جاری کر رہا تھا۔ کیا چل رہا ہے، سوچتی وہ ان کے قریب آئی۔

ایک فقیر کو گارڈ روم کے باہر رکھی کرسی پر بٹھایا گیا۔

صاف ستھرے لیکن قدرے بوسیدہ کپڑے، جوتے البتہ بہتر حالت میں تھے۔ وہ قریباً ستر کے پیٹے میں، ایک درمیانی قد و قامت کا چوکس بوڑھا آدمی تھا۔ ہاتھ میں کاسہ تھا نہ آنکھوں میں سوال۔ اسے نظریں اٹھا کر دیکھا تو

لمحے بھر کو ساکت ہوا۔

"نئی آئی ہو؟ پہلے نہیں دیکھا۔" آواز اونچی نا مدھم، لیکن ایک رعب سا تھا۔

"مہمان ہوں۔" وہ قریب ہی کھڑی ہو گئی۔

"کبھی کبھار یہاں آتے ہیں۔ حارث صاحب نے خاص ہدایت دے رکھی ہے کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دینا۔" ایک گارڈ نے اسے مطلع کیا، پھر قریب کھڑے ملازم کو مخاطب کرتا ہوا بولا۔ "آرزو بی بی سے ان کا کہہ کر کچھ روپے لے آؤ۔ جانتے ہو نا صاحب نے کیا کہہ رکھا ہے۔"

"کب تک ٹھہرنا ہے؟" وہ اسے پرسوچ انداز میں دیکھتا بولا۔

"بابا جی، لمبا قیام ہے۔"

"دشمن کی یقیناً تم پر بھی نظر ہو گی۔" اب وہ نیچے زمین کو گھور رہا تھا۔

"کون دشمن؟" وہ غیر محسوس انداز میں تھوڑا قریب آئی۔

"جہاں دو جوان اموات ہوئی ہوں وہاں کوئی دشمن ضرور موجود ہوتا ہے۔" اب وہ آنکھیں بند کیے سرگوشی کے سے انداز میں بول رہے تھے۔ "میرا بہت پرانا یہاں۔۔۔ آنا جانا رہا ہے۔ حنا مرزا کی بیماری اور ناعمہ کی خودکشی۔۔۔ اس سب میں کسی کا ہاتھ ہے۔"

زہرہ کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔

"کوئی حناسی کم عمر پندرہ سالہ لڑکی کو کیوں مارنا چاہے گا؟"

"اس عمر کی دوستیاں بہت خطرناک ہوتی ہیں۔اس کی کوئی قریبی دوست بھی ہو سکتی ہے۔"آنکھیں بدستور بند تھیں۔

"بابا میں۔۔۔"

"جو کہہ رہا ہوں وہ غور سے سنو!"وہ خاصا ڈپٹ کر بولا۔"فجر اور عصر کے بعد ایک بار آیت الکرسی اور تین تین بار سورہ اخلاص، فلق، اور سورہ الناس پڑھ لیا کرو۔یہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا۔ دیگر مسنون دعائیں بھی پڑھا کرو۔حفاظت میں رہو گی۔اللہ نے قرآن پاک میں خاص تلقین فرمائی ہے کہ سورج طلوع ہونے اور غروب ہونے سے قبل ذکر کرنا چاہیے۔اسے یاد کرنا چاہیے۔ سمجھ رہی ہو نا میں کیا کہہ رہا ہوں۔"اب وہ آنکھیں کھول کر خاصے جلالی انداز میں اس سے مخاطب تھا۔

اس نے تیزی سے سر اثبات میں ہلایا۔

"پردے ہٹنے لگیں گے، اُس سے غلطیاں ہوں گی۔"آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔"وہ غلطیاں پکڑنے کا موقع تمہیں تبھی ملے گا جب تم صحیح وقت پر درست مقام پر موجود ہوئی۔جانتی ہو اس بات کا مطلب؟"طنزیہ مسکراہٹ۔"جو رب سے نہیں جڑے گا وہ یہ کیسے کر پائے گا؟"

اس کے لب سل چکے تھے وہ کچھ چاہ کر بھی بول نہ پائی۔

اتنے میں وہی ملازم کھانے کی ٹرے اٹھائے چلا آیا جو کچھ دیر قبل گارڈ کی ہدایت پر اندر گیا تھا۔ کچھ نوٹ بھی بابا جی کو تھمائے۔

"وہ کون تھے، آرزو؟" رات وہ اپنی کزن کے کمرے میں اس کے بیڈ پر بیٹھی پوچھ رہی تھی۔

"بہت عبادت گزار ہیں۔" آرزو عقیدت بھرے لہجے میں بولی۔ "کہتے ہیں غیب کا علم نہیں رکھتا بس کبھی کچھ اچانک ذہن میں آئے تو بول دیتا ہوں صحیح مطلب اخذ کرنا۔۔۔ یہ تو سننے والے پر منحصر ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

لائبریری عمارت کی چہل پہل سے الگ ایک نیم تاریک دنیا تھی۔

لکڑی کی الماریوں سے پرانی جلدوں کی مہک اٹھتی تھی، اور کھڑکیوں پر موٹی پردے دار دھوپ چھن چھن کر فرش پر مستطیل نقش بناتی۔ زہرہ ایک اونچی شیلف کے

سامنے کھڑی تھی، انگلیوں کی پوروں سے کتابوں کی ریڑھ کی ہڈیوں پر لکھے نام پڑھتی جاتی۔ اس کے لیے یہ جگہ محض کمرہ نہیں تھی؛ یہ ایک ایسی پناہ گاہ تھی جہاں سوالات آہستہ بولتے تھے اور جواب جلدی میں نہیں دیے جاتے تھے۔

اس نے ایک بھاری جلد کھینچی تو اس کے ساتھ والی قطار میں کوئی اور کتاب بھی ہلکی سی سرکی۔ زہرہ نے چونک کر پلٹ کر دیکھا۔ حارث ہاتھ میں دو کتابیں لیے کھڑا تھا، جیسے وہ لائبریری میں چلتا نہیں، آہستہ سے نمودار ہوتا ہو۔

"آپ یہاں؟" زہرہ نے حیرت اور دلچسپی سے پوچھا۔

حارث نے ہلکا سا مسکرا کر شیلف کی طرف سر ہلایا۔ "یہی تو واحد جگہ ہے جہاں سنگِ سراب کم دکھائی دیتا ہے اور آدمی زیادہ۔" نظر اس کے ہاتھ میں تھامی کتاب تک گئی۔ "نائمہ نے بھی میری طرح انگریزی ادب میں ماسٹرز کیا تھا۔ ہم دونوں مطالعے کے شوقین رہے اور آپ بھی۔۔۔؟"

زہرہ کی نظر اس کی کتابوں پر گئی۔ "ماسٹرز تو نہیں کر پائی مگر۔۔۔ کتابیں مجھے سنبھال لیتی ہیں۔" پھر اس نے ہاتھ میں موجود جلد کو سیدھا کیا۔ "آپ کیا پڑھتے رہے؟"

حارث نے کتاب کا سرورق دکھایا، جیسے کسی دوست کا تعارف کروا رہا ہو۔ "ہینری جیمز۔"

زہرہ کے چہرے پر فوراً پہچان کی جھلک ابھری۔ "ہینری جیمز۔۔۔ وہی جو کرداروں کے اندر کی آواز کو باہر سے بلند کر دیتا ہے؟"

حارث کی آنکھوں میں خوشی سی چمکی۔ "بالکل۔ وہ باہر کے واقعات کم لکھتا ہے، اندر کی حرکت زیادہ۔ بظاہر گفتگو، آداب، کمرے کی نشست، چائے کا کپ۔۔۔ اور ان سب کے نیچے فیصلے، حسد، خوف، خواہش، اور وہ خاموش سیاسی جنگ جو لوگ شائستگی کے نام پر لڑتے ہیں۔"

زہرہ نے کتاب کے کاغذ کو انگلی سے ہلکا سا چھوا۔ "اس کی کہانیاں مجھے کبھی کبھار آئینے جیسی لگتی ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں تو اپنا ہی چہرہ دکھائی دیتا ہے، بس زاویہ بدل جاتا ہے۔"

حارث نے سر ہلایا۔ "اور وہ خود بھی ایسا ہی تھا۔ بہت اندر مائل، خلوت پسند۔ شہرت کے باوجود اپنے دائرے میں رہنے والا۔ اس نے شادی نہیں کی۔ کچھ لوگ اسے کمی کہتے ہیں، مگر مجھے لگتا ہے وہ ایسے آدمی کی کیفیت تھی جو تعلقات میں بھی کاغذ اور خیال کی اتنی باریک تہیں دیکھتا ہے کہ عام زندگی کا سادہ بہاؤ اسے مطمئن نہیں کرتا۔"

"آپ کا پسندیدہ ناول؟"

حارث نے لمحہ بھر سوچا۔ "پورٹریٹ آف اے لیڈی۔ ایک عورت کی آزادی، اس کی غلطیاں اور معاشرتی شرافت کے اندر چھپے جال۔ پھر وِنگز آف دی ڈَو بھی۔۔۔ وہاں محبت کم اور مفاد کی تہذیب زیادہ ہے۔ اور اگر ذہنی خوف کی بات کریں تو ٹرن آف دی اسکریو۔ جیمز کی خوبی یہ ہے کہ وہ قاری کو فیصلہ نہیں دیتا، بس اضطراب دے دیتا ہے۔"

زہرہ نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "اضطراب۔۔۔ ہاں، وہ قاری سے کہتا ہے: تم خود بھی تو یہی ہو۔" پھر اس نے سامنے والی الماری سے ایک کتاب نکالی۔ "میرا جھکاؤ چارلس ڈکنز کی طرف زیادہ ہے۔"

"Great Expectations?"

"اور بِلیک ہاؤس بھی۔" زہرہ نے جواب دیا۔ "ڈکنز اندر کے اندھیرے کو باہر کی سڑکوں پر لے آتا ہے۔ اس کے کردار بھوک، غربت، قانون، اور شہر کی دھول میں بھی انسان رہتے ہیں، محض علامت نہیں بنتے۔ اور وہ ظلم کے خلاف لکھتے ہوئے بھی انسان کے اندر کی نرمی نہیں بھولتا۔"

حارث نے کتاب کی ریڑھ پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ "دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ جیمز بھی ایسے سمجھ رہی ہیں جیسے ڈکنز کو سمجھتی ہیں۔ دونوں میں انسان ہے، فرق صرف لینز کا ہے۔ ڈکنز کا کیمرہ شہر میں ہے، جیمز کا کیمرہ ذہن میں۔"

زہرہ نے کہا۔ "اور دونوں میں اخلاقیات ہیں لیکن لیکچر کی صورت نہیں۔ ڈکنز شور میں اخلاق دکھاتا ہے، جیمز خاموشی میں۔"

حارث نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "ناعمہ بھی ایسی ہی باتیں کیا کرتی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ کتابیں آدمی کی تربیت نہیں کرتیں، اس کے اندر پڑے سوالوں کو نام دیتی ہیں۔"

"ایک سوال پوچھوں؟"

"ضرور۔"

زہرہ نے بہت آہستہ، مگر واضح انداز میں کہا۔ "ہینری جیمز اور جین آسٹن جیسے لوگ۔۔۔ جن کی شادی نہیں ہوئی۔ کیا اسے کم نصیبی کہا جائے؟ یا یہ سمجھا جائے کہ انہوں نے وہی کیا جو ان کا اصل ٹیلنٹ تھا؟" وہ اس دوران نپے تلے قدم اٹھاتے صوفے کے قریب آ گئے تھے۔

حارث نے سنگل صوفہ پر بیٹھتے اس کی پشت سے ٹیک لگا لی، جیسے یہ سوال اسے فوراً پسند آ گیا ہو۔ "کم نصیبی تب ہوتی ہے جب آدمی خود کو کسی ایسے راستے کے لیے قربان کر دے جو اس کا اپنا نہ ہو اور پھر اندر سے خالی رہ جائے۔ لیکن اگر کسی نے اپنے مزاج کے مطابق زندگی چنی۔۔۔ تو یہ کم نصیبی نہیں، قیمت ہے۔"

زہرہ نے کہا۔ "قیمت۔۔۔یعنی زندگی کے بعض حصوں کا نہ ہونا؟"

حارث نے جواب دیا۔ "یا زندگی کے بعض حصوں کا کسی اور شکل میں ہونا۔ آسٹن نے گھریلو دنیا کو ادبی کائنات بنا دیا، جیمز نے ذہن کی سرحدوں کو۔ دونوں نے 'نہیں' بھی کہا، مگر اس 'نہیں' کے پیچھے ایک 'ہاں' تھی: لکھنے کی ہاں، دیکھنے کی ہاں، خود سے سچ بولنے کی ہاں۔"

زہرہ نے سر ہلایا۔ "تو پھر سوال یہ نہیں کہ انہوں نے کیا کھویا، سوال یہ ہے کہ انہوں نے کیا بچایا۔"

حارث نے مسکرا کر کہا۔ "اور یہ بھی کہ انہوں نے کس چیز کے لیے اپنے آپ کو بچایا۔" اس نے آگے کو جھکتے ،کتاب سامنے پڑی میز پر رکھ دی۔ "آپ کے خیال سے جین آسٹن اور ہینری جیمز، دونوں نے محبت کو جس طرح بیان کیا اس میں کیا تفرقات تھے؟"

زہرہ بولی تو الفاظ میں روانی تھی۔ "جین آسٹن محبت کو جذباتی طوفان نہیں بناتی——وہ اسے کورٹ شپ، سماجی طبقے، اور شادی کے 'عملی' دباؤ کے اندر رکھ کر لکھتی ہے۔ اس کے ہاں 'کون کس سے محبت کرتا ہے' کے ساتھ یہ بھی چلتا رہتا ہے کہ 'یہ محبت اس سماج میں ممکن بھی ہے یا نہیں'——اسی لیے اس کا لہجہ باریک طنز اور مشاہدے سے بھر جاتا ہے۔"

حارث بولا تو لہجے میں وہی ایکسائٹمنٹ تھی جو کسی بھی قاری کی آواز میں تبھی آتی ہے جب وہ اپنے پسندیدہ مصنف کو ڈسکس کرتا ہے۔ "اور ہینری جیمز محبت کو زیادہ تر ایک نفسیاتی معاملہ بنا دیتا ہے——اندر کی کشمکش، نیتوں کی

دھند،اور رشتوں کی سیاست۔اس کے ہاں شادی بھی اکثر رومان کا انعام نہیں،ایک پیچیدہ قید یا طاقت کا توازن بن جاتی ہے۔یعنی محبت کم،'اِنسانی آزادی بمقابلہ تعلق'موضوع بن جاتا ہے۔"

اتنے میں لائبریری کے مرکزی دروازے پر کھٹکا سا ہوا۔دونوں ایک ساتھ چونکے۔اندر کوئی اور نظر نہیں آرہا تھا،مگر دروازے کی درز میں روشنی کی لکیر تھوڑی سی بدلی،جیسے کسی نے باہر سے ہاتھ لگا کر چھوڑا ہو۔

زہرہ اٹھ کر گئی۔

دروازہ ادھ کھلا تھا۔باہر جھانک کر دیکھا تو راہداری خالی تھی۔وہ پلٹ کر جانے والی تھی جب اس کی نظر فرش پر پڑی۔

سیاہ گلاب۔

زہرہ بے ساختہ پیچھے کو ہٹی۔یہ کوئی دھمکی نہیں تھی،مگر پیغام میں ایسی بے تکلفی تھی جیسے بھیجنے والا اس جگہ کا، اور ان دونوں کی گفتگو کا عینی گواہ ہو۔

واپس اسی جگہ جاتے اس نے کھڑے کھڑے حارث سے پوچھا۔"حارث بھائی،اگر کوئی کسی کو سیاہ گلاب یا دے تو اس کا کیا مطلب ہو گا؟مطلب۔۔۔اگر منفی رخ دیکھا جائے تو؟"

"Vengeance that may lead to the death of a foe."

(ایسی انتقامی کارروائی جو دشمن کی موت پر منتج ہو سکتی ہے۔)

****

رات کافی گزر چکی تھی۔ قدموں کی آوازیں بھی جیسے دیواروں میں جذب ہونے لگیں۔ زہرہ اپنے کمرے میں آئی تو پہلا دھچکا خاموشی نہیں، بے ترتیبی تھی۔

اس نے دروازہ آہستہ سے بند کیا اور چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ کمرے میں ہر چیز اپنی جگہ 'ہونے' کے باوجود اپنی جگہ 'پر' نہیں تھی۔ بستر کی چادر پر سلوٹیں تھیں۔ دونوں سائیڈ ٹیبل ذرا سے ہٹے ہوئے، ٹیڑھے میڑھے، جیسے کسی نے جلدی میں دھکا دے کر چھوڑ دیا ہو۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آتے ہی اس کی سانس رک گئی—آئینے پر سرخ لپ اسٹک سے ایک بڑا سا کراس بنایا گیا تھا۔۔۔کاٹے کا نشان۔

ڈریسنگ ٹیبل کی سطح پر۔۔۔جو اس نے اپنی چند میک اپ کی اشیا سجا کر رکھی تھیں۔۔۔وہ نیچے فرش پر گری ہوئی تھیں۔ اس کا بھی ایک مقصد تھا۔ اس جگہ کو خالی کر کے وہاں اس کے لیے کچھ رکھا گیا تھا۔

ایک سیاہ گلاب!

زہرہ نے بے اختیار ہاتھ بڑھایا، جیسے یقین کر لینا چاہتی ہو کہ یہ نظر کا دھوکہ نہیں۔ جونہی اس نے گلاب کو پنکھڑیوں کی سمت سے پکڑ کر اٹھایا (اسے کانٹا چبھنے کا ڈر تھا)، انگلیوں

کی پوریں کچھ بھیگ سی گئیں۔ وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی، ہاتھ کو دیکھ کر آنکھیں پھیل گئیں۔ دل کی دھڑکن کانوں میں گونجنے لگی۔ اس نے لرزتی سانس کے ساتھ سُرخ انگلیاں ناک کے قریب کیں—اور فوراً اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

خون۔

بو تیز تھی مگر عجیب۔۔۔ جیسے کسی انسان کا نہیں، پرندے یا جانور کا خون ہو۔اس کے حلق میں خشکی اتر آئی۔اس نے بے یقینی سے دوبارہ آئینے کی طرف دیکھا، پھر سیاہ گلاب کی طرف——اسے یوں لگا جیسے کمرہ اسے گھور رہا ہے، جیسے یہ سب محض بے ترتیبی نہیں۔۔۔پیغام ہے۔

وہ ٹھہر نہ سکی۔بس دروازہ کھولا اور تیز قدموں سے باہر نکل آئی۔راہداری میں آئی تو اس کی سانس ٹوٹ رہی تھی، ہاتھ کانپ رہے تھے۔سیڑھیاں اترتے ہوئے ایک دو بار پاؤں لڑکھڑایا مگر وہ رکی نہیں۔نیچے لاؤنج میں روشنی زیادہ تھی اور وہاں ریحان موجود تھا۔

"ریحان۔۔۔ریحان!"

اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ تیزی سے اس کی جانب پلٹا۔

"میرے کمرے میں۔۔۔کوئی آیا ہے۔سب۔۔۔سب بکھرا ہوا ہے۔آئینے پر۔۔۔سرخ کراس اور——"اس نے سانس کھینچی۔"ڈریسنگ ٹیبل پر سیاہ گلاب۔۔۔اور خون۔"

وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔"چلو۔"

وہ اس کے ساتھ اوپر آیا۔کمرے کے اندر قدم رکھتے ہی ریحان کی نظر پہلے چادر پر گئی، پھر سائیڈ ٹیبل، پھر فرش پر گرے سامان پر۔آخر میں اس کی نگاہ آئینے کے اس بڑے سرخ کراس پر ٹھہر گئی اور پھر اس نے محتاط انداز میں سیاہ گلاب کو ٹہنی سے پکڑ کر اٹھایا۔سونگھا۔"یہ انسانی خون نہیں۔"

چند لمحے وہ خاموش رہا، جیسے دماغ میں تصویر کے ٹکڑے جوڑ رہا ہو۔

"یہ بھوت نہیں ہے، زہرہ۔"

اس کی آواز میں یقین تھا، اور اس یقین نے زہرہ کے اندر کا خوف مزید گہرا کر دیا۔

ریحان نے کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ "یہ انسان ہے، جو تمہاری یہاں موجودگی سے پریشان ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح ناشتے کے بعد جیسے ہی ریحان کرسی پیچھے سرکا تا میز سے اٹھا، اس کی نگاہ ایک لمحے کو زہرہ پر ٹھہری۔

"تمہارے سوٹ کیس کا لاک جو اٹکا ہوا ہے۔۔۔ آؤ، کھول دوں۔"

زہرہ کے ہاتھ میں پکڑی پیالی پر گرفت سخت ہوئی۔ بے اختیار نگاہ آرزو اور حارث پر پڑی۔ دونوں نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی—اور دوبارہ گفتگو کی ٹوٹی ہوئی ڈور تھامنے لگے۔

ریحان نے یہ بھی نہ دیکھا کہ وہ آ رہی ہے یا نہیں۔ بس مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

زہرہ نے کرسی تقریباً گھسیٹتے ہوئے پیچھے کی، اور اگلے ہی لمحے تیز قدموں سے اس کے پیچھے لپکی۔ وہ سیڑھیوں تک پہنچی تو ریحان کو وہیں پایا—کالر سیدھا کرتا ہوا، بے نیازی سے اوپر کی طرف بڑھتا ہوا۔

اس نے سانس درست کی۔ "تمہارے پیچھے واقعی کوئی۔۔۔ نا نظر آنے والے کتے لگے ہوئے ہیں۔ جو یوں ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو۔"

ریحان نے بغیر رکے اگلی سیڑھی پر قدم رکھا۔ "کتوں اور گھوڑوں کو چھوڑو۔ بھوتوں سے ملنے کو تیار ہو جاؤ۔"

زہرہ سیڑھیوں کے بیچ میں ہی رک گئی۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

ریحان کے لہجے میں وہی مخصوص طنز تھا جس میں کوئی اور ہی بات چھپی رہتی تھی۔ "آخر اتنے سالوں سے جو دروازے بند ہیں، انہیں کھولو گی تو کوئی استقبال کے لیے تیار کھڑا ملے گا ہی۔ "لمحہ بھر کو رکا۔ "بلکہ سوری۔۔۔ملے 'گی'۔"

زہرہ کے بدن میں سرد لہر دوڑ گئی۔

ریحان نے مڑ کر اسے دیکھا، اور پھر سر اٹھا کر ہنس دیا۔

یہ ہنستے ہوئے کتنا اچھا لگتا ہے۔

جتنی تیزی سے خیال آیا اتنی ہی تیزی سے زہرہ نے سر جھٹکتے جیسے اس سوچ سے پیچھا چھڑانا چاہا۔

یہ سب ریحان کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ پایا۔ بولا تو لہجے میں شوخی تھی۔ "پہلے کمرے دیکھ لو، مجھے بعد میں دیکھتی رہنا۔"

زہرہ کے گال سُرخ ہوئے۔ اس نے فوراً نظریں چرائیں اور اس سے بھی تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

وہ اُس راہداری میں پہنچے جہاں وہ دو بند دروازے برسوں سے خاموش کھڑے تھے—تالے اور آس پاس وہی گھٹن جو عمارت کی دیواروں کے اندر رچی بسی تھی۔

ریحان نے جیب سے چابیوں کی چین نکالی۔ دھات کی ہلکی سی جھنکار راہداری میں گونجی۔ زہرہ کی نظریں فوراً اس کی چین پر جا ٹھہریں۔ اس نے بے ساختہ ریحان کے ہاتھ سے چابیاں لیں۔

کی چین میں چابیوں کے ساتھ لٹکی ہوئی ایک ننھی سی چیز تھی—سرخ لباس پہنے، باربی ڈول جیسی چھوٹی منی ایچر

لڑکی—— گڑیا جیسی نہیں، کچھ زیادہ ہی 'حقیقی'، جیسے کسی یاد کو شکل دے دی گئی ہو۔

زہرہ نے اسے انگلیوں کے بیچ گھما کر دیکھا۔ "یہ کی چین کس کا ہے؟"

ریحان نے کندھے اچکائے۔ "معلوم نہیں۔ بس اتنا جانتا تھا کہ چابیاں کہاں رکھی ہیں۔ ابو نے وہ جگہ صرف مجھے بتائی تھی۔"

زہرہ نے بے اختیار سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "صرف تمہیں؟"

ریحان نے مختصر سا 'ہاں' کہا، پھر پہلی چابی تالے میں ڈال دی۔ "ویسے بھوتوں سے ملنے کی ایکسائٹمنٹ ہے یا کچھ اور۔" مڑ کر اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ "تم 'آپ' سے 'تم' پر آ گئی۔"

"تمہاری صحبت کا اثر کہوں گی۔ میں تو تمہیں تہذیب نہ سکھا پائی لیکن تم نے مجھے بد تمیز بنا ڈالا۔"

تالا کھلا تو آواز نہیں آئی، بس ایک ہلکی سی 'کِلک'—— جیسے کسی نے برسوں سے روکا ہوا سانس چھوڑ دیا ہو۔

دروازہ دھیرے سے کھلا۔

یہ حنا مرزا کا کمرہ تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی زہرہ کی نظر ہر طرف پھیلی—— فرنیچر پر سفید چادریں ڈلی ہوئی تھیں۔ ڈریسنگ ٹیبل، بیڈ، سائیڈ ٹیبل۔۔۔ سب کچھ ڈھکا ہوا۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ چادروں پر گرد نہیں تھی۔ نہ وہ بھاری بوسیدگی، نہ وہ بھورا پن جو بند کمروں میں رچ بس جاتا ہے۔

ریحان نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے یہاں، کبھی کبھار صفائی کرائی جاتی ہے۔"

زہرہ نے فوراً جواب دیا۔ "لیکن تم نے تو کہا تھا چابی کی جگہ صرف تمہیں معلوم ہے۔"

"تمہیں متاثر کرنے کی ایک کمزور کوشش تھی۔ حارث بھائی کو بھی معلوم ہے انہوں نے بھابھی کو بھی بتایا ہوگا وہی صفائی کرواتی ہوں گی۔" ریحان نے چادر کے کنارے پر انگلی پھیر کر اسے دکھایا۔ "دیکھو، ڈسٹ نہیں ہے۔"

زہرہ سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ اس کے ہاتھ نے چادر کا کونہ اٹھایا۔ پھر وہ دراز کی جانب جھکی۔

دراز کا ہینڈل پکڑتے ہی ریحان ایک جھٹکے سے آگے آیا۔ اس نے اس کے ہاتھ کے قریب ہاتھ رکھ کر، اسے روک سا دیا۔

"مرنے والے کا بھرم رہنے دینا چاہیے۔" اس کی آواز دھیمی مگر فیصلہ کن تھی۔ "یوں اس کے راز ٹٹولنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔"

زہرہ سیدھی ہوتی اس کی جانب مڑی اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "وہ مری نہیں ہے، ریحان۔ ماری گئی ہے۔ تم سب کو آسان جھوٹ پسند آیا، اسی پر ٹھہر گئے۔ مجھے سچ معلوم کرنا ہے۔"

ریحان کی پلکیں ایک لمحے کو ساکت ہوئیں۔ "تم اتنا بڑا دعویٰ کیسے کر سکتی ہو؟"

"بہت کچھ سنا ہے، اور کچھ میرا وجدان بھی الرٹ کر رہا ہے۔" زہرہ کے لہجے میں وہی ضد تھی جو پچھلی رات بھی اس کی آنکھوں میں دکھائی دی تھی۔ "تمہاری بہن کسی سازش کا شکار ہوئی ہے۔"

ریحان کے ہونٹ ہلے، جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو—— پھر رُک گیا۔

"مجھ پر یقین ہے؟" زہرہ کو لگا یہ سوال کرنے کا صحیح وقت یہی ہے۔

وہ لمحہ بھر کو اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

اوراس ایک اقرار کے ساتھ، کمرے کی خاموشی پہلے سے زیادہ بھاری ہو گئی—جیسے اب یہاں صرف فرنیچر نہیں، کہیں کسی کونے کھدرے میں، ایک سچ بھی پڑا تھا۔۔۔ جس پر سے چادر اٹھنی باقی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ زہرہ اپنے کمرے میں اکیلی تھی، چاروں اطراف خاموشی تھی لیکن اس کے اندر کا شور دن بھر کی تھکن کے بعد بھی تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ آج کا دن اس نے جیسے بہت مشکل سے گزارا تھا؛ ہر لمحہ اپنے آپ کو سنبھالتی رہی۔ اسی گھڑی کا انتظار کرتی رہی جب وہ تنہا ہو کر وہ سب پڑھ سکے جس کے لیے اس کا دل صبح سے بے قرار تھا۔

وہ آہستہ سے سائیڈ ٹیبل تک آئی۔ ہاتھ کانپے نہیں مگر دل عجیب طرح سے دھڑک رہا تھا۔ دراز کھول کر اس نے ایک گہرے بھورے رنگ کی ڈائری نکالی۔

یہ وہی ڈائری تھی جو اسے ناعمہ کے کمرے سے ملی تھی اور اسے پڑھنے کی اجازت اس نے ریحان سے لی تھی۔

جوں ہی ڈائری پر ریحان کی نظر پڑی۔۔۔ وہ رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا—یوں جیسے اسے دیکھنا بھی گوارا نہ ہو۔ زہرہ کو ایک لمحے کو لگا، اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ریحان شاید اسے یوں ڈائری کو ہاتھ نہ لگانے دیتا۔ وہ پیٹھ پھیر کر کھڑا ہوا تو زہرہ اس کے قریب گئی۔ دھیرے سے اجازت مانگی۔

ریحان نے جواب میں بس اتنا کہا تھا۔ "جو بھی ہو۔۔۔ مجھے کچھ نہ بتانا۔"

پھر جیسے الفاظ اس کے گلے میں اٹک گئے۔ "وہ میری بھابھی تھیں۔ میرے لیے بے حد قابلِ احترام۔۔۔ مجھے صحیح نہیں لگتا کہ ان کی لکھی ہوئی۔۔۔ ذاتی ڈائری۔۔۔"

زہرہ نے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔

اس کے بعد وہ دونوں کمرے سے باہر نکل آئے تھے۔ زہرہ نے چابیاں نہیں مانگی تھیں۔ اسے دوبارہ وہاں آنے کی ضرورت بھی نہیں تھی؛ جو چاہیے تھا، مل گیا تھا۔ اس سے زیادہ کی خواہش، یا کوشش—— بیکار ثابت ہوتی۔

اب وہی ڈائری اس کے ہاتھ میں تھی۔

اس نے ڈائری کھولی تو کاغذ کی ہلکی سی پرانی خوشبو ان صفحات سے نکل کر اس کے پاس آئی۔ یہ کوئی بہت پرانی ڈائری نہیں تھی—— سال 1987 کی، وہی سال جس کے آخر میں ناعمہ کی موت ہوئی تھی۔

زہرہ نے دیکھا، پہلے صفحے پر صاف لکھا تھا۔

ناعمہ۔

اس کے بعد اس نے صفحے پلٹنا شروع کیے۔ ایک۔ پھر دوسرا۔ پھر تیسرا۔

صفحے خالی تھے۔ سب خالی۔

زہرہ کے ماتھے پر شکن نمودار ہوئی۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اتنی سنبھال کر رکھی گئی ڈائری۔۔۔ اور اندر کچھ بھی نہیں؟

وہ کچھ پریشان ہوئی، زیادہ تیزی سے صفحات پلٹنے لگی۔تب اچانک اسے کچھ دکھائی دیا—جیسے تیزی میں وہ کسی صفحے پر کچھ پیچھے چھوڑ آئی ہو، یا سیاہی کسی خالی جگہ پر بے دھیانی میں ٹھہر گئی ہو۔

سیاہ بال پوائنٹ میں لکھی گئی چند سطور۔

"حارث اکثر رات دیر سے آتے ہیں۔انہیں واقعی کوئی اور پسند ہے۔

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہی سب کرنا تھا تو مجھ سے شادی کیوں کی؟میرا محبت سے بڑھایا ہوا ہاتھ کیوں تھاما؟

وہی میں ہوں۔۔۔بس حارث وہ نہیں رہے۔

یا وہ کبھی ویسے تھے ہی نہیں جیسا میں انہیں سمجھی؟"

زہرہ کا سر چکرا کر رہ گیا۔

سیاہ سطریں اس کی آنکھوں کے سامنے جیسے جل رہی تھیں۔اس کے ذہن میں فوراً لائبریری والی کتاب کا وہ صفحہ ابھرا—جہاں 'بیوفائی' کا شکوہ تحریر تھا۔کیا وہ لکھنے والی بھی۔۔۔نا عمہ ہی تھی؟

اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔کمرے میں خاموشی تھی، مگر اس کے اندر سوالوں کی چیخیں۔

وہ اٹھ کر دوسرے سائیڈ ٹیبل کے پاس گئی۔وہاں وہی کتاب رکھی تھی جس میں اس نے نشان لگا کر چھوڑا تھا۔

اس نے کتاب اٹھائی، انگلیوں سے نشان والے صفحے تک پہنچی، اور کاغذ کو ہولے سے کھول دیا۔

اس نے ڈائری کے صفحے کو قریب کر کے کتاب والے جملوں کی ہینڈ رائٹنگ سے ملانا شروع کیا۔ایک، دو لمحے۔۔۔پھر اس کے ہاتھ یکدم ڈھیلے پڑ گئے۔

لکھائی میچ نہیں کر رہی تھی۔

یکسر مختلف تھی۔

ڈائری کی تحریر میں ایک خاص ٹھہراؤ تھا، حروف میں گولائی، سطروں میں نفاست——اور کتاب والی تحریر تیز، کاٹ دار، کچھ جگہوں پر بے صبری سے بھری ہوئی۔ جیسے لکھنے والا جلدی میں ہو۔۔۔یا غصے میں۔

اسے دھچکا لگا۔"یہ۔۔۔نائمہ کی لکھائی نہیں ہے؟"اس نے سوال کیا۔۔۔دیوایں جواباً خاموش رہیں۔

پھر کتاب کے صفحے کو دوبارہ غور سے دیکھا۔

مگر حقیقت وہی تھی: دونوں لکھائیاں کسی ایک انسان کی نہیں تھیں۔

اس نے ڈائری بند کی، پھر کتاب——اور دونوں کو تھامے ہوئے دیر تک بیٹھی رہی۔

آج پہلی بار اسے واضح طور پر محسوس ہوا کہ اس عمارت میں سچ ایک نہیں، کئی پرتوں میں چھپا ہوا ہے۔ شاید کسی نے جان بوجھ کر نشان چھوڑے ہیں—— مگر اپنے نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح اتوار تھا۔ عمارت کی فضا نسبتاً ہلکی محسوس ہو رہی تھی، جیسے رات کی گھٹن دھوپ کے آنے سے پیچھے ہٹ گئی ہو۔ ناشتے کے بعد حارث نے کہا۔"چلو، ذرا باہر سیر کر آئیں۔"وہ ان سب سے مخاطب تھا۔

وہ لوگ سوہاوہ کے قریب ٹلہ جوگیاں کی سمت نکل گئے—ہلکی ٹھنڈی ہوا، پہاڑی راستے، خشک مگر خوبصورت سبزہ جو چٹانوں کے بیچ اپنی ضد پر قائم تھا۔ دور تک پھیلا منظر، آسمان کی نیلاہٹ اور نیچے وادی میں چھوٹے چھوٹے گھر۔۔۔ سب کچھ ایسا تھا جیسے کوئی تصویر سانس لے رہی ہو۔

زہرہ نے چلتے ہوئے دیکھا: حارث اور آرزو ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے—ایسی مسکراہٹیں جو باتوں سے زیادہ آنکھوں میں رہتی ہیں۔ آرزو کی نظر میں نرمی تھی اور حارث کی مسکراہٹ میں وہ سرشاری جو من پسند ساتھی کی سنگت میں ہی ہوتی ہے۔

زہرہ نے یہ سب نوٹ کیا اور دل میں ایک عجیب سی بے نام کسک بھی جاگی۔

سچ یہ ہے۔۔۔ یا وہ ڈائری میں رقم شدہ الفاظ؟

ریحان تھوڑا فاصلے پر چل رہا تھا۔ زہرہ لاشعوری طور پر اس کے ساتھ ہو لی۔ دونوں کے قدموں کے درمیان چند گز کا فاصلہ تھا۔ اسی فاصلے میں عجیب سی گفتگو پنپنے لگی۔

ریحان نے لمحہ بھر کے توقف سے کہا۔ "یہ جگہ مجھے پہلے کبھی اچھی نہیں لگی تھی۔"

زہرہ نے اس کی طرف دیکھا۔ "پھر اب کیوں آئے ہو؟"

وہ ہلکا سا مسکرایا، مگر اس کی آنکھوں میں وہی پرانی تھکن تھی۔ "کیونکہ اب جو بُرا لگتا ہے۔۔۔ اس سے بھاگ نہیں سکتا۔"

وہ چند قدم خاموش رہا، پھر جیسے خود کو بولنے پر آمادہ کیا۔ "میری چھوٹی بہن۔ وہ مجھ سے دو سال ہی چھوٹی تھی۔ بچپن میں ہم دونوں ایک ہی ٹیم ہوا کرتے تھے۔ گھر میں اگر کوئی ناراض ہوتا تو وہ مجھے آنکھوں سے اشارہ کر کے ہنس دیتی۔ جانتے بوجھتے حارث کے 'احکامات' کی نفی کرنا۔ وہ گڑیا گڈے کی شادی کرتی تو 'دعوت' یعنی کھانے پینے کا انتظام میرے ذمہ ہوتا۔" وہ سر جھکا کر ہنس دیا۔ "دوسرے لفظوں میں۔۔۔ مجھے کچن سے کچھ چوریاں کرنی پڑتیں۔"

زہرہ نے کچھ نہیں کہا، بس ساتھ چلتی رہی۔

"اس کے مرنے کے بعد۔" ریحان کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "یہ سنگِ سراب۔۔۔ گھر نہیں رہا تھا۔ قبر بن گیا تھا۔ یہاں رہنا مشکل نہیں۔۔۔ ناممکن تھا۔ تب میں نے فیصلہ کیا کہ میں پڑھائی کے لیے باہر چلا جاؤں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی سے میں نے فلاسفی، پولیٹکس اور اکنامکس میں بی اے کیا، پھر وہیں سے معاشیات میں ماسٹرز کیا۔ پھر لندن کے ایک بنک میں اکنامک اینالسٹ کے طور پر نوکری مل گئی۔ ورک ویزا بھی مل گیا۔"

"PPE?"

"ہاں۔ یہی تو۔۔۔ جس میں ہر چیز کا تھوڑا تھوڑا زہر بھی ہوتا ہے اور سچ بھی۔"

زہرہ کے لبوں پر پہلے تو ہلکی سی مسکراہٹ آئی لیکن پھر کچھ سوچتے وہ فوراً سنجیدہ ہو گئی۔ "اور حارث بھائی؟ بہت مصروف رہتے ہیں۔"

ریحان نے سامنے وادی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "قریبی شہر گجرات میں ان کی الیکٹرک فینز اور چھوٹے ہوم اپلائنسز کی فیکٹری ہے۔ صبح نکلتے ہیں، رات کو لوٹتے ہیں۔ بس اتوار کو چھٹی کرتے ہیں۔۔۔ اسی لیے آج ہم 'فری' ہیں۔"

زہرہ نے دھیرے سے کہا۔ "اور تم نے کیا سوچا ہے؟ تمہاری پڑھائی کے حساب سے۔۔۔ یہاں کیا کرو گے؟"

"جاب تو میں وہاں بھی کرتا رہا ہوں لیکن وہ محض ورک ویزے کی غرض سے تھا۔" پھر پر سوچ انداز میں بولا۔ "دلچسپی تو پبلک پالیسی اور گورننس میں ہے۔ مگر ابھی فیصلہ نہیں کیا کہ پاکستان رہوں یا برطانیہ میں ہی سیٹل ہو جاؤں۔ ویسے میں نوکری چھوڑ آیا ہوں۔"

"واقعی؟" زہرہ کو شاک لگا۔ "حارث بھائی کو بتایا؟"

"نہیں۔ انہیں یہی تاثر دینا چاہتا ہوں کہ ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔"

"سچ کو چھپا رہے ہو، جھوٹے ہی ہوئے نا!"

اس نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ "تمہاری تعلیم؟"

"بی اے انگلش لٹریچر۔"

"اور اس لیے تم۔۔۔ ہر چیز کو لفظوں میں ڈھونڈتی ہو؟" اس کے لہجے میں وہی آدھا طنز، آدھی دلچسپی تھی۔

زہرہ نے نظریں چرا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ "مجھے شاعری پسند ہے۔"

"تمہیں حارث بھائی سے سننا چاہیے۔وہ بھی شاعری کرتے ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ڈنر کے بعد سب حسبِ معمول کچھ دیر ٹی وی لاؤنج میں آکر بیٹھ گئے۔عمارت میں یہ ایک ایسا معمول تھا جو دن کے بوجھ کو کچھ دیر کے لیے ہلکا کر دیتا—ٹی وی کی آواز، ہلکی پھلکی گفتگو،اور آرزو اور ریحان کی چائے/کافی کی ہلکی سی خوشبو۔

کبھی حارث بروقت گھر لوٹ آتا تو وہ بھی ڈنر اور اس چھوٹی سی تفریح—دونوں کا حصہ بن جاتا، مگر ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا تھا۔

آج وہ جلدی آگیا تھا۔اس لیے ڈنر کے بعد بھی وہیں رہا، کچھ دیر ٹی وی اور باہمی گفتگو چلتی رہی۔ پھر حارث اور آرزو اٹھے اور اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔

آج زہرہ وہیں ٹھہر گئی—ورنہ عموماً وہ بھی اٹھ جایا کرتی تھی۔

آج اس کے رکنے کے پیچھے ایک مقصد پوشیدہ تھا۔

کچھ دیر وہ خاموشی سے ریحان کو دیکھتی رہی۔وہ اس وقت ایک ڈاکومنٹری پروگرام دیکھنے میں پوری طرح مگن تھا—کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے، ہاتھ میں ریموٹ، نظریں ٹی وی سکرین پر۔

زہرہ محتاط انداز میں گویا ہوئی۔"تم نے منع کیا تھا۔۔اس لیے میں تمہیں ڈائری میں لکھی سطور کے متعلق کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

ریحان کی نگاہ اسکرین پر ہی رہی۔

زہرہ نے بات جاری رکھی۔ "بس اتنا بتاؤ۔۔۔ تمہارے بھائی کا کردار کیسا ہے؟"

ریحان کو جیسے جھٹکا سا لگا۔ وہ فوراً مڑا اور اسے دیکھا۔ چہرے پر واضح شاک تھا—ایسا شاک جو صرف سوال سے نہیں، سوال کے پیچھے چھپی نیت سے آتا ہے۔

"میں کچھ کہوں گا تو تم اسے ایک بھائی کا دفاع سمجھو گی۔ لیکن سچ یہی ہے کہ وہ واقعی مضبوط کردار کا مالک ہے۔"

زہرہ نے پلکیں جھپکیں۔ "کسی کو پسند تو نہیں کرتا؟"

ریحان نے ایک لمحہ سوچا، جیسے کسی پرانی فائل کو ذہن میں کھول رہا ہو۔ "جسے پسند کرتا تھا۔۔۔ وہ اس کی یونیورسٹی فیلو تھی۔"

زہرہ کے حلق میں خشکی سی آ گئی۔ "کون؟"

"ناعمہ۔"

پھر جیسے زہرہ کے چہرے پر پھیلتی حیرانگی سے محظوظ ہوا۔ "تمہاری کزن سے تو بابا نے شادی کرائی تھی۔ وہ تو دوسری شادی پر راضی ہی نہیں تھا۔"

"اتنا تو میں بھی جانتی ہوں۔" وہ اب اسے کیا بتاتی۔۔۔ کہ ناعمہ خود شک میں مبتلا تھی۔ "اچھا، یہ بتاؤ حنا کی دوست کون تھی؟"

ریحان کی بھنویں بلند ہوئیں۔"سکول میں کئی فرینڈز تھیں۔کیوں؟"

زہرہ نے مختصر الفاظ میں 'باباوالا واقعہ 'سنادیا—حنا کی دوست۔شاید اسی راستے وہ حقیقت تک پہنچ سکتے تھے۔

ریحان کے چہرے کی رنگت پل بھر کو متغیر ہوئی۔"کیا انہوں نے یہ کہا تھا کہ حنا کے کیس میں،اس کی کوئی قریبی سہیلی ہی اسے نقصان پہنچا سکتی ہے؟"

زہرہ نے سر اثبات میں ہلایا—ریحان کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ کچھ سمجھ گیا ہے،بس بتا نہیں رہا۔

وہ ذرا آگے جھکی۔"ریحان؟"

وہ لمحہ بھر خاموش رہا،پھر یوں بولا جیسے الفاظ کو دانتوں کے بیچ سے گزار رہا ہو۔"میں غلط بھی ہو سکتا ہوں۔"

اور بات وہیں ختم ہو گئی—اس کمرے کی ہوا میں ادھورا پن ٹک گیا،جیسے ٹی وی کی آواز بھی کسی اور دنیا سے آ رہی ہو۔

☆☆☆☆☆☆

دوپہر کے کھانے کے بعد زہرہ نے جیسے ہی دوسری منزل پر قدم رکھا،راہداری اسے ہمیشہ سے زیادہ خاموش اور پُراسرار لگی۔

اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو اندر قدم رکھتے ہی اسے دھچکا سا لگا۔

الماری کے دونوں پٹ کھلے تھے۔۔۔جیسے کسی نے بے صبری میں جھٹکے سے کھول کر چھوڑ دیا ہو۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ ہینگروں پر لٹکے کپڑوں کو ایک ایک کر کے باہر کھینچا۔ پہلے اسے لگا شاید کپڑے الٹے سیدھے ہو گئے ہیں، مگر اگلے ہی لمحے حقیقت اس کے سامنے تھی۔

کپڑے کٹے ہوئے تھے۔

لمبائی میں۔

اس طرح کہ کپڑے ہینگر پر موجود ہونے کے باوجود تار تار، چیتھڑوں کی صورت لٹک رہے تھے۔ جیسے کسی نے قینچی نہیں، ضد کی لکیر سے انہیں کاٹا ہو۔

اس نے کپڑے اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر دیکھے، انگلیاں کانپ گئیں۔

اس کی نظر الماری کے دوسرے حصے پر گئی، جہاں تہہ لگا کر رکھے ہوئے جوڑے پڑے تھے۔ وہ جھکی، ایک جوڑا اٹھایا۔ وہ بھی کٹا ہوا تھا، صاف، بے رحم کٹ، جیسے کسی نے مقصد کے تحت نقصان پہنچایا ہو۔ پھر دوسرا جوڑا۔۔۔ وہ بھی۔

زہرہ کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔

اس کے ذہن میں پچھلی رات کی خاموشی، بند دروازے، عمارت کی دیواروں کی سردی، سب ایک ساتھ ابھر آئے۔

وہ فوراً نیچے والی دراز کی طرف بڑھی جہاں جوتے رکھے تھے۔ دراز کھولتے ہی اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

دو جوڑوں میں سے ایک ایک جوتا غائب تھا۔

اس نے بے اختیار جوتوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ ایک جوتے کے اندر کچھ کاغذ سا محسوس ہوا۔ اس نے انگلیاں اندر ڈال کر وہ کاغذ نکالا۔

سفید کاغذ، موٹے قلم کی سیاہی، اور چند الفاظ، جو اس کے دل میں تیر کی طرح اتر گئے۔

"جہاں سے آئی ہو وہیں لوٹ جاؤ۔ یہاں تمہاری کوئی جگہ نہیں۔"

زہرہ نے ایک لمحے کو کاغذ کو گھورا، پھر اس کے ہاتھ میں کاغذ لرزنے لگا۔ کمرہ، جو ابھی تک صرف خاموش تھا، اسے گھٹن سے بھرا ہوا محسوس ہونے لگا۔

اس نے کاغذ کو مٹھی میں بھینچا، جیسے اس طرح الفاظ کو کچل کر ختم کر دے گی۔

ابھی وہ کمرے سے نکلنے ہی والی تھی کے کونے والی سائیڈ ٹیبل کے پاس نیچے کچھ پڑا دکھائی دیا۔ تین رنگ۔

اس کی موم بتیوں کو توڑ مروڑ کر ناقص حالت میں وہاں پھینکا گیا تھا۔ یہ اس کی سائیڈ ٹیبل کی دراز سے نکالی گئی تھیں۔

واپسی پر ڈرائیور نے ریحان کے کہنے پر، قصبے میں گاڑی کی رفتار کم کر دی، جیسے یہاں کے موڑ بھی آہستگی مانگتے ہوں۔ شہر کی چمکتی دکانوں، شاپنگ بیگز اور مصنوعی خوشبوؤں

کے بعد یہ گلیاں ویسی ہی تھیں: گرد آلود، سنجیدہ، اور اپنے راز اپنے اندر لپیٹے ہوئے۔ ڈرائیور نے خاموشی سے گاڑی ایک سائیڈ پر روکی تو زہرہ کو اپنا دل بھی اسی طرح کنارے لگا ہوا محسوس ہوا۔

وہ دروازہ کھول کر اتری۔ ریحان بھی ساتھ چل پڑا۔

زہرہ نے نظر اس کھڑکی کی جانب اٹھائی جس پر پردہ سا لٹکا تھا۔

دروازہ کھلا تو وہی مہک انہیں پھر سے گھیرنے لگی: شہد کی موم کی میٹھی خوشبو اور جڑی بوٹیوں کی ہلکی تلخی۔ شیشے کی الماریوں میں رنگوں کی قطاریں ویسے ہی تھیں، جیسے وقت نے انہیں ہاتھ نہ لگایا ہو۔ آئینوں کے فریم، دھندلے نقش، اور دیواروں پر لٹکے سائے۔ پینٹنگز، سب کچھ اسی طرح، بس زہرہ کے اندر کچھ بدل چکا تھا۔

رقم وصولی کے کاؤنٹر پر وہی کم عمر لڑکا کھڑا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس کی نظریں فوراً جھک گئیں۔

پھر مادام نکہت نظر آئیں۔ گہرا سبز لباس، سیدھے کندھے، تیز قدم۔

انہوں نے ریحان اور زہرہ کو دیکھا تو پلک بھی نہ جھپکی۔ "آ گئی؟" لہجہ سوال کم، اعلان زیادہ تھا۔

ریحان نے شوخی سے پُر لہجے میں کہا۔ "مادام، لگتا ہے آج قصبہ ہم سے پہلے تیار ہے۔"

نکہت کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک اُتری۔ "قصبہ تیار ہی رہتا ہے۔ آدمی تیار نہیں ہو پاتا۔"

زہرہ نے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پیوست کیں۔ "مجھے موم بتیاں لینی ہیں۔"

نکہت کے چہرے پر حیرت کی ایک جھلک آئی، بہت مختصر، لیکن یہ منظر تھوڑا عجیب تھا۔ معمول سے ہٹ کر۔۔۔ جیسے انہیں حیران ہونا سوٹ ہی نہ کرتا ہو۔ "ابھی اس دن تو لے کر گئی تھیں۔"

زہرہ نے سانس کھینچی، الفاظ کو سیدھا رکھنے کی کوشش کی۔ "وہ۔۔۔ ضائع ہو گئیں۔ کسی نے خراب کر دیں۔"

ایک لمحے کو دکان کی خاموشی مزید گہری ہو گئی۔ ریحان نے زہرہ کی طرف دیکھا، پھر فوراً نظریں ہٹا لیں جیسے یہ نظریں بھی اس کے زخم چھیڑ دیں گی۔

نکہت نے بہت پر سکون انداز میں کہا۔ "دیکھو بھلا، کوئی کسی کا کچھ بگاڑ سکتا ہے؟" پھر ان کی آواز میں وہی پرانا ٹھہراؤ آ گیا۔ "جتنا کوئی کسی کا بگاڑنے کی کوشش کرے گا، دوسرا تو سنورتا چلا جائے گا۔"

زہرہ نے چاہا کہ اس جملے پر مسکرا دے، مگر اس کے ہونٹ صرف تھوڑا سا ہلے۔ "سنورنے کی قیمت بہت ہوتی ہے، مادام۔"

نکہت نے اسے دیکھا، جیسے یہ قیمت وہ پہلے سے جانتی ہوں۔ "ہاں۔ مگر تم بخوبی ادا کر رہی ہو۔"

وہ شیشے کی الماری کی طرف مڑیں، اور تین موم بتیاں نکال لائیں۔

پہلی موم بتی شہد کی موم کی تھی، مگر اس کی سطح پر بہت باریک سی لہریں بنی تھیں، جیسے کسی نے سنہری پانی جما دیا ہو۔ اس میں دھوپ سا رنگ تھا، مگر دھوپ کی طرح بے پروا نہیں، نرم اور محفوظ۔

دوسری موم بتی گہری نیلگوں تھی، اتنی گہری کہ روشنی میں بھی رات کا احساس دیتی تھی۔ اس کے اندر باریک چاندی جیسے ریشے جھلملاتے تھے، جیسے کسی نے آسمان کی دھول موم میں بند کر دی ہو۔

تیسری موم بتی ہلکے گلابی رنگ کی تھی، شفاف سی۔ اس کے اندر سوکھے گلاب کی پنکھڑیاں ایسے قید تھیں جیسے کسی خط میں یادیں۔ اس کی خوشبو میٹھی نہیں، بس دل کو تھام لینے والی تھی۔

نکہت نے تینوں موم بتیاں زہرہ کی طرف بڑھائیں۔ "یہ شعلہ تمہیں ڈرائے گا نہیں۔ بس سچ دکھائے گا۔"

ریحان نے زیرِ لب کہا۔ "ہمارے ہاں سچ دکھانے والی چیزیں عموماً مہنگی ہوتی ہیں۔"

نکہت نے اس پر وہی ترچھی سی مسکراہٹ اچھالی۔ "تم تو پھر مفت میں بہت کچھ دیکھ لیتے ہو، ریحان۔"

ریحان نے ہنستے ہوئے ہاتھ اٹھا دیے۔ "میں؟ میں تو بس ماحول انجوائے کرتا ہوں۔"

نکہت کی نظر اچانک دیوار پر لگے آئینوں پر گئی۔ پھر وہ ایک کونے کی طرف بڑھیں جہاں ایک آئینہ آدھے سایے میں تھا۔ عام آئینہ نہیں تھا۔ اس کا فریم دھندلی چاندی جیسا تھا، کناروں پر باریک نقوش، اور شیشہ ایسا کہ اس میں عکس ایک دم ظاہر نہیں ہوتا تھا؛ پہلے ہلکی سی کہر بنتی، پھر چہرہ آہستہ آہستہ ابھرتا، جیسے آئینہ بھی اجازت لے کر دکھاتا ہو۔

نکہت نے وہ آئینہ احتیاط سے اٹھایا اور زہرہ کی طرف بڑھا دیا۔ "یہ رکھ لو۔"

زہرہ نے چونک کر دیکھا۔ "یہ؟ کیوں؟"

"جب اداس ہو، اس آئینے میں دیکھنا۔" نکہت نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا مگر الفاظ سیدھا اندر اُترتے چلے گئے۔ "یہ تمہارے باطن میں چھپی خوبصورتی دکھائے گا۔"

ریحان نے فوراً ہاتھ میں لینے کی کوشش کی، پھر خود ہی رک گیا۔ "مادام، یہ آئینہ کہیں دل کا حال بھی تو نہیں بتا دیتا؟"

نکہت اس بار ہنسی روک نہیں پائیں۔ "آئینہ بس تمہیں 'تم' دکھاتا ہے۔"

زہرہ نے آئینہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اس کی ٹھنڈک عجیب طرح سے تسلی دینے والی تھی۔ اس نے اسے اپنے سامنے کیا تو پہلے واقعی شیشے پر ہلکی سی دھند چھا گئی، جیسے کسی نے سانس رکھی ہو۔ پھر دھند ہٹی۔

اسے اپنا چہرہ نظر آیا، بس ذرا سا مختلف۔ آنکھوں کے نیچے تھکن کی جگہ کوئی نرم سی روشنی تھی، جیسے اندر کہیں ایک چھوٹا سا چراغ جل رہا ہو۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے پیچھے ایک ضد تھی، ایک ٹھہراؤ، جسے وہ خود بھی نہیں پہچانتی تھی۔

ریحان نے اس کے کندھے کے اوپر سے جھانک کر دیکھا۔ "اوہ!" اس کی آواز میں حیرت کم، خوشی زیادہ تھی۔ "یہ تو۔۔۔ یہ تو تمہیں زیادہ 'تم' بنا رہا ہے۔"

زہرہ نے ایک لمحے کو ریحان کو دیکھا، پھر دوبارہ آئینے میں۔ اس کے گلے میں جیسے کوئی گرہ تھی، مگر عجیب سی میٹھی بھی۔

نکہت نے آہستہ سے کہا۔ "آئینہ سچ کو خوبصورت بنا کر نہیں دکھاتا۔ سچ خود خوبصورت ہوتا ہے۔ بس تمہیں خود کو یاد دلانا پڑتا ہے۔"

پھر انہوں نے کاؤنٹر پر انگلی رکھ کر، جیسے کسی لفظ پر مہر لگا رہی ہوں، چار سطریں دھیمی آواز میں پڑھیں۔

جو دکھ میں گھُل کر مسکرائے، وہی تم ہو

جو ٹوٹ کر بھی خود کو سنوار جائے، وہی تم ہو

یہ آئینہ نہیں، تمہارے اندر کا اجالا ہے

ذرا دیکھو تو سہی، تمہارا سچ کیا ہے

ریحان نے سر ہلایا، جیسے اس نے شاعری نہیں، کوئی اشارہ سمجھا ہو۔ "مادام، آپ کی دکان میں چیزیں بھی شاعری کرتی ہیں۔"

نکہت نے رسید کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور تم باتوں میں بھی سودا کر لیتے ہو۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھے تو نکہت کی آواز آئی۔

"کام ادھورا نہیں چھوڑا کرتے۔" توقف۔ "بس اپنا راستہ یاد رکھنا۔"

زہرہ کے قدم ایک پل کو ٹھہرے۔ ریحان نے دروازہ کھولے رکھا، باہر گلی کی ہوا میں سردی تھی، مگر اندر نکہت کے الفاظ میں عجیب سی گرمی۔

زہرہ نے ایک بار پلٹ کر دکان کی طرف دیکھا۔ آئینے، موم بتیاں، دھند، سائے۔ پینٹنگز۔۔۔ اور مادام نکہت، جو اسے یوں دیکھ رہی تھیں جیسے وہ جانے سے پہلے ہی واپس آنے کا وعدہ کر چکی ہو۔

زہرہ دو قدم چلی۔۔۔ پھر رکی۔ جیسے کسی خیال نے پیچھے سے آ کر آستین پکڑ لی ہو۔

وہ پلٹی، نکہت کے سامنے آ کر ٹھہر گئی۔

"مادام۔۔۔آپ کے یہاں جڑی بوٹیاں بھی پائی جاتی ہیں؟"

نکہت نے آنکھیں سکوڑتے اسے دیکھا۔"ہاں۔"

زہرہ کی آنکھوں میں ایک بے چین سنجیدگی اتر آئی۔"تو پھر،اگر کسی کو زہر چاہیے ہو تو وہ کہاں سے لے گا؟آپ سے؟"

نکہت نے ہنستے ہوئے ریحان کو دیکھا۔ریحان نے قہقہہ دبانے کی کوشش کی۔۔۔اس کے کندھے ہلنے لگے۔

زہرہ کے ماتھے پر بل پڑا۔"کوئی کیسا ہی نادان سوال کرے،اس پر ہنسنا نہیں چاہیے۔یوں لوگ سوال کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔"

نکہت کی ہنسی تو تھم گئی لیکن آنکھوں میں وہی چمک رہ گئی۔"بات سچی ہے۔"پھر وہ کاؤنٹر کے کنارے پر انگلی رکھ کر بولیں۔"لیکن یوں ہر کوئی دکان میں زہر نہیں رکھ سکتا۔"

انہوں نے اس کی جانب جھک کر،بالکل ایسے جیسے کسی راز کو عام لفظوں میں چھپا کر دیا جاتا ہے،بات سمجھائی۔

"دیکھو،عام جڑی بوٹیاں،مصالحہ جات،خوشبودار پتّے،یا ٹوٹکوں والی چیزیں تو اکثر دکانوں سے مل جاتی ہیں۔مگر جس چیز کو ریاست خطرناک یا'زہریلا' سمجھتی ہے-چاہے وہ دوا ہو،صنعتی کیمیکل یا زرعی زہر-اُس کی خرید و فروخت عام طور پر بغیر قواعد کے نہیں ہوتی۔"

نکہت نے شیشیوں اور جارز کی طرف اشارہ کیا۔ "عمومی طور پر ایسی چیزوں پر شرائط آجاتی ہیں: واضح لیبل، محفوظ سٹوریج، مقدار کی حد، اور بعض صورتوں میں لائسنس یا رجسٹرڈ ڈیلر ہونا۔ اسی لیے تم کسی عام دکان میں جا کر یہ توقع نہیں کر سکتیں کہ 'زہر' کاؤنٹر پر رکھ دیا جائے گا۔"

"اور زرعی زہر؟" ریحان نے سوال اچھالا، جیسے وہ زہرہ کی سنجیدگی کو نرم کرنا چاہتا ہو۔

"وہ بھی کھیل نہیں۔ زرعی حشرات کش ادویات کے لیے الگ قانون ہے۔" نکہت نے سر ہلایا۔ "صرف رجسٹرڈ حشرات کش ادویات ہی بیچنے، سٹاک رکھنے اور اشتہار دینے کی اجازت ہوتی ہے۔ اُن کی سٹوریج و سیل بھی قواعد کے تابع ہوتی ہے۔ اس لیے ہر گلی کے نکڑ پر کوئی بھی ایسے سامان کو اپنی الماری میں چھپا کر نہیں رکھ سکتا، کم از کم قانوناً تو نہیں۔"

زہرہ نے پُر تفکر لہجے میں پوچھا۔ "اور غیر قانونی طور پر؟"

نکہت کی آنکھوں کی چمک سرد ہو گئی۔ "غیر قانونی چیزوں کے راستے میں دکان کا نام نہیں لیا جاتا، زہرہ۔"

زہرہ نے ایک پل کو آئینے والے بیگ کی طرف دیکھا، پھر جیسے خود سے جنگ کرتے ہوئے دوبارہ نکہت کی طرف۔ "اگر۔۔۔ کسی کے بال جھڑنے لگیں، پیٹ میں مروڑ اٹھتے ہوں، متلی رہتی ہو، قے آئے، کمزوری یا چکر ہوں۔ کبھی آنکھوں کے آگے دھندلاپن یا روشنی کے گرد ہالے سے محسوس ہوں۔۔۔" اس نے الفاظ جلدی جلدی کہے، جیسے وہ خود کو سنبھالنے سے پہلے بات مکمل کرنا چاہتی ہو۔ "تو کیا یہ سب کسی زہر کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے؟"

"زہرہ!" ریحان کی آواز اچانک سخت ہو گئی۔

زہرہ چونکی۔ اس نے ریحان کو دیکھا تو اس کے چہرے سے ساری شوخی غائب تھی۔ آنکھوں میں ایک پرانا، دبایا ہوا دکھ تیرنے لگا تھا۔ جیسے برسوں پہلے وہی بیماری، بے بسی، اور وہی انجام کسی بند کمرے سے نکل کر یکدم سامنے آ کھڑا ہوا ہو۔

ریحان کے جبڑے بھنچ گئے۔ "یہ باتیں مت کرو۔" دھیمی آواز میں تنبیہہ تھی اور التجا بھی۔ "میری بہن۔۔۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا، جیسے نام لینے سے بھی زخم تازہ ہو جائے۔ پھر نکہت کی جانب دیکھا۔ "وہ سالوں پہلے اسی طرح بیمار ہو کر۔۔۔"

نکہت چونک اٹھیں۔ پہلی بار ان کے چہرے پر تیزی سے بدلتا تاثر صاف دکھائی دیا۔ "میں پوری بات نہیں جانتی، اس لیے کوئی حتمی رائے دینے سے قاصر ہوں۔" انہوں نے ایک لمحے کو توقف کیا، پھر کہا۔ "لیکن ہاں۔۔۔ زہر بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وجہ کچھ اور ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

قریباً گیارہ بجے کے قریب۔۔۔ زہرہ عقبی لان میں کھڑی تھی۔ پھولوں کے پاس سے گزرتی ہوا ان کی خوشبو کو ٹکڑوں میں لے کر اس کے چہرے تک پہنچا رہی تھی۔ وہ بس یونہی کلیوں اور پتّیوں کو دیکھ رہی تھی کہ مہرو آہستگی سے قریب آئی۔

"لاہور سے آپ کی والدہ کی کال آئی ہے۔" اکثر ماں بہنوں کی کال آیا کرتی، دل کو ڈھارس سی ہو جاتی۔ آرزو نے دو بار اپنی والدہ سے بھی اس کی فون پر بات کروائی تھی۔ یہ فون ہی میلوں دور بیٹھے بھی ان سب کو رابطے میں رکھتا تھا۔

زہرہ نے چونک کر دیکھا۔ ماں کا سنتے ہی دل میں ایک نرم سا درد اُبھرا۔ وہ تیز قدموں سے لاؤنج کی جانب چل دی جہاں فون اس کے انتظار میں۔۔۔ سائیڈ پر رکھا گیا تھا۔

چھوٹی موٹی، یہاں وہاں کی باتوں میں ماں کی فکر مندی صاف جھلک رہی تھی—— جیسے لفظوں میں ہاتھ باندھ کر کہہ رہی ہوں: میں تمہیں دیکھ نہیں سکتی، مگر دل ہر لمحہ تمہارے ساتھ ہے۔

"تم رات کو اپنی روٹین کے مطابق سب پڑھ کر سوتی ہو نا؟" پھر خاص طور پر سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات کا ذکر کیا، اور وہ مسنون عمل بھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو تینوں 'قل' (سورہ اخلاص، الفلق، الناس) پڑھ کر ہاتھوں پر پھونکتے اور پھر جہاں تک ہاتھ پہنچتے سارے جسم پر پھیر لیتے۔

زہرہ کی سانس یکدم رک سی گئی۔

جب سے وہ یہاں آئی تھی۔۔۔ اس نے یہ سب چھوڑ رکھا تھا۔ نہ جانے کیوں—— تھکن؟ لاپرواہی؟ یا یہ غلط فہمی کہ وہ مضبوط ہے اور اسے ضرورت نہیں؟

ماں نے پائل کی آواز اور اس عجیب سی 'موجودگی' کا ذکر بھی کیا، جن کے متعلق اس نے پچھلی کال پر بتایا تھا—— اور یہ کہ مسنون دعائیں اور اعمال۔۔۔ حفاظت بھی بن جاتے ہیں۔ جادو اور وسوسوں سے بھی۔ ماں کے لفظوں

میں خاص تنبیہہ تھی کہ انسانوں اور جنات دونوں میں ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں ۔وہ نہیں جانتی اسے کہاں سے گزند پہنچ سکتا ہے صرف ایک مضبوط محافظ ہی اس کی صحیح معنوں میں حفاظت کر سکتا ہے۔۔۔اور مخلوق کا بہترین محافظ خالق ہی ہے۔اس تک پہنچنے اور جڑے رہنے کا راستہ ہمارے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں دکھا گئے ہیں۔

زہرہ نے خط سینے سے لگا کر چند لمحے آنکھیں بند کیں۔پھر چپ چاپ کمرے میں آ گئی۔

نمازوں کی وہ یہاں بھی پابندی کرتی تھی لیکن۔۔۔

سونے سے پہلے اس نے اپنے بستر کی سطح پر بیٹھ کر وہی روٹین دوبارہ شروع کی جو اسے زبانی یاد تھی۔

پہلے اس نے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات پڑھیں۔پھر تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر پھونکا اور چہرے، سر سمیت جہاں تک ہاتھ پہنچے، جسم پر پھیر لیے۔اسی طرح تین بار سورۂ فلق، پھر تین بار سورۂ ناس—— اور ہر بار ہاتھوں پر دم کر کے بدن پر پھیر لیا۔

کمرے میں ایک لمحے کو یوں لگا جیسے ہوا کا دباؤ بدل گیا ہو—— جیسے کسی نے دروازہ بند کر کے اندر کی دنیا کو محفوظ کر دیا ہو۔

وہ لیٹی تو نیند نے دیر نہیں کی۔

☆☆☆☆☆☆☆

پتہ نہیں آدھی رات تھی یا اس سے بھی آگے کا وقت—— مگر اچانک اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

پائل کی جھنکار۔

بہت واضح آواز تھی۔

زہرہ کا دل زور سے دھڑکا۔اسی لمحے اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی تیزی سے اس کے کمرے کے باہر سے گزرا ہو——قدموں کی چاپ، ساتھ ہی پائل کی جھنکار، یا شاید صرف اس کے اپنے خوف کا وہم۔۔۔ مگر احساس اتنا حقیقی تھا کہ اس کی سانس اٹک گئی۔

ہمت کر کے اٹھنا چاہا مگر چند سیکنڈ وہ بس بیٹھے ہوئے ہی سننے لگی——خاموشی، پھر خاموشی۔

ایک اور ہلکی سی جھنکار——دور، راہداری کی دوسری سمت۔

زہرہ نے ہمت جمع کی، بستر سے اٹھی اور کمرے کی لائٹ آن کر دی۔روشنی ہوئی تو دیواروں کے سائے ایک دم واضح ہو گئے۔اس نے دروازہ آہستہ سے کھولا۔

راہداری میں وہی عطر کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

زہرہ نے راہداری کی لائٹ بھی آن کر دی۔دھیمے قدم اٹھاتے اس کا رخ سیڑھیوں کی جانب تھا۔

لیکن عین سیڑھیوں کے قریب اس کے پیر میں کچھ چبھا۔

اس نے فوراً پیر پیچھے کو کھینچا، اور گھبرا کر نیچے بیٹھ گئی۔کانپتے ہوئے ہاتھ نے فرش ٹٹولا۔

انگلیوں کے پوروں میں ٹھنڈی دھات آئی۔

وہ ایک چھوٹا سا چاندی کا گھنگرو تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح ناشتے کے بعد زہرہ نے جانتے بوجھتے ریحان کے سامنے آرزو کی طرف رخ کیا۔اس کے لہجے میں ایک مصنوعی سی بے فکری تھی، جیسے بس یونہی دل چاہا ہو۔

"آرزو، میں سوچ رہی تھی قریبی علاقے میں تھوڑی چہل قدمی کر لوں۔" پھر اس نے فوراً ریحان کو مخاطب کیا۔ "تمہیں تو اچھے سے علاقے کا پتہ ہو گا نا؟"

ریحان نے کپ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔ "میں تو روز صبح ناشتے سے پہلے جاگنگ کرتا ہوں۔"

آرزو ہنس پڑی۔ "جھوٹ بول رہا ہے۔" پھر ریحان پر ایک جتاتی ہوئی نگاہ ڈالتے بولی۔ "لیکن ہاں، مجھے پتہ ہے لے جائے گا۔"

ریحان نے کوئی تردید نہیں کی۔بس ایک نظر زہرہ پر ڈالی،ایسی نظر جس میں سوال بھی تھا اور احتیاط بھی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں باہر نکل آئے۔

عمارت کے اطراف کا علاقہ قصبے سے ذرا فاصلے پر تھا۔نہ وہ پورا دیہات تھا،نہ شہر کی بھاگ دوڑ کا حصہ۔ کھلی گھاس کے پٹ، کناروں پر درختوں کی قطاریں، کہیں کہیں جھاڑیاں جن پر شبنم ابھی تک چمک رہی تھی۔دور سے

پرندوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کبھی تیز چہچہاہٹ، کبھی ایک ہی سُر میں مسلسل پکار، جیسے صبح اپنے وجود کا اعلان کر رہی ہو۔ ہوا میں مٹی اور سبزے کی ملی جلی خوشبو تھی۔

زہرہ نے کچھ دیر خاموشی سے چلتے ہوئے مٹھی بند رکھی۔ پھر اس نے آہستہ سے ہاتھ کھولا اور ریحان کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ دیکھو۔"

اس کی ہتھیلی پر وہی چھوٹا سا چاندی کا گھنگرو رکھا تھا۔

ریحان کے چہرے پر فوراً تشویش ابھری۔ اس نے گھنگرو کو دیکھا، پھر زہرہ کی آنکھوں میں۔ "یہ تمہیں کہاں سے ملا؟"

"آدھی رات کو۔۔۔ راہداری سے۔" اس نے ایک گہری سانس اندر کو کھینچی۔ "آدھی رات کو پائل کی جھنکار سنی تو تفتیش کرنے نکل کھڑی ہوئی۔ اچانک یہ میرے پیر میں چبھا۔"

ریحان کے جبڑے میں تناؤ واضح دکھائی دیا۔ "مطلب، کوئی وہم ہے نا بھوت۔ کوئی تمہارے دماغ کے ساتھ کھیل رہا ہے۔" وہ رکا۔ "لیکن کیوں؟"

زہرہ نے رفتار دھیمی کی۔ "اصل بات یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص ابھی بھی ہمارے بیچ موجود ہے، جو حنا اور ناعمہ کی زندگی میں بھی یہیں تھا۔"

ریحان نے چونک کر اسے دیکھا۔

زہرہ نے بات واضح کی۔ "یہ ہم سے کیا چاہتا ہے، یہ ہمیں اس کے محرکات جان کر ہی پتہ چلے گا۔"

چند لمحے وہ دونوں چلتے رہے۔ پرندوں کی آوازیں تھیں، دور کہیں کسی درخت سے پتے جھڑنے کی ہلکی سی سرسراہٹ۔

"وہ لائبریری والی کتاب۔ اس صفحے کی لکھائی ڈائری والی لکھائی سے نہیں ملتی۔" ڈائری کی تحریر کے برعکس لائبریری والی کتاب میں رقم شدہ الفاظ اس نے ریحان کو اسی دن دکھا دیے تھے۔

ریحان نے ایک لمحہ پلکیں جھپکیں، جیسے بات کو ذہن میں تول رہا ہو۔ "کسی کی بھی ہو سکتی ہے۔" اس نے قدرے محتاط انداز میں کہا۔ "ایک دو بار نائمہ کی کوئی سہیلی بھی یہاں سے کتاب لے کر گئی تھی۔"

زہرہ نے فوراً اسے دیکھا۔ "سہیلی؟"

ریحان نے کندھے اچکائے۔ "ہاں۔ بابا کی زندگی تک لوگ یہاں آتے جاتے تھے۔ سب کچھ اتنا بند نہیں تھا جتنا اب ہے۔"

وہ چند قدم اور چلے، پھر ریحان نے اچانک رخ بدلا۔ "تم بتاؤ، بھابھی کی ڈائری میں کیا لکھا تھا؟"

"انہوں نے لکھا تھا کہ انہیں لگتا ہے۔۔۔ حارث بھائی ان سے بیوفائی کر رہے ہیں۔"

ریحان کی نظر سامنے گھاس پر جم گئی۔

"لیکن انہیں ایسا کیوں لگتا تھا؟" زہرہ نے فوراً آج کے حال کو بھی ساتھ باندھ دیا۔ "وہ تو ابھی بھی راتوں کو دیر سے لوٹتے ہیں۔ آرزو کو تو ان سے کوئی گلہ نہیں۔"

ریحان نے بس ایک خشک سانس لی۔ "وہ آفس میں ہی ہوتے ہیں۔ یہ تو میں جانتا ہوں۔" پھر اس نے دھیرے سے کہا، جیسے خود سے پوچھ رہا ہو۔ "لیکن بھابھی کو ایسا کیوں لگا؟"

اس سوال کے ساتھ ہی ان کے قدموں کی رفتار بھی جیسے بدل گئی۔ صبح کی واک اب محض چہل قدمی نہیں رہی تھی، ایک اندھی گلی میں داخل ہوتا سوال بن گئی تھی۔

زہرہ نے بے اختیار ریحان کی طرف دیکھا۔ "اگر بابا جی کے اندازے کے مطابق حنا کی کوئی سہیلی اس کی جان لینا چاہتی تھی تو اسے نائمہ سے کیا مسئلہ تھا؟" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی، جیسے الفاظ خود ہی اپنے انجام سے ڈر گئے ہوں۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" ریحان بنا تفصیل میں گئے بھی جان گیا تھا کہ زہرہ کی سوچوں کا رخ اب ان دونوں کے ماضی کی طرف تھا۔

زہرہ نے گھنگرو اپنی مٹھی میں بند کیا۔ "یہی کہ شاید کوئی باہر والا نہیں، اندر والا بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی جو تب بھی سب کے بیچ موجود تھا۔ اور اب بھی ہے۔"

اس کے فوراً بعد جیسے قسمت نے ان کے سامنے ایک امکان رکھ دیا۔

سامنے سے ایک لڑکی آ رہی تھی۔ سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی، سر جھکا ہوا، قدم تیز مگر سنبھلے ہوئے۔

وہ ان کے سامنے سے گزرتی تو شاید کوئی اسے روک نہ پاتا، مگر عین قریب آ کر اس نے اچانک ریحان کو غور سے دیکھا۔ پھر زہرہ کی طرف نظر پھسلی۔ اسی لمحے اس کے قدم اور تیز ہو گئے۔

یہ سب ریحان کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

"سنو!" ریحان کی آواز میں سختی تھی۔

لڑکی مڑے بغیر رک گئی۔ کندھوں میں تناؤ آ گیا، جیسے پوری پیٹھ نے انکار کی شکل اختیار کر لی ہو۔

ریحان نے دو قدم آگے بڑھ کر کہا۔ "تم۔۔۔ حنا کی کلاس فیلو تھی نا؟"

وہ پلٹی اور سست قدم اٹھاتے ہوئے ان کے قریب آئی۔ زہرہ نے نوٹ کیا- اس کی آنکھوں میں کاجل کی گہری لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔ گھبراہٹ چھپانے کی کوشش میں اس نے سر ہلایا، مگر سانس بے ترتیب تھی۔

ریحان نے بات گھما کر نہیں کی۔ "میں نے تمہیں دو بار سکول کے باہر ان دونوں کے ساتھ دیکھا تھا۔ حنا اور مہرو۔"

لڑکی نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر گھبرا کر زہرہ کی طرف۔ "ہم صرف کلاس فیلو تھے۔ بس کبھی کبھار ہلکی پھلکی بات چیت ہو جاتی تھی۔ وہ میری دوست ہرگز نہیں تھی۔"

"یہ صرف لڑکیوں کا سکول تھا؟" زہرہ نے ریحان سے پوچھتے اس لڑکی کو بغور دیکھا۔

"ہاں میرا سکول بھی قریب ہی تھا۔ ڈرائیور ہم سب کو لیتے ہوئے آتا تھا۔"

لڑکی ہکلائی۔ "میرا ان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔" پھر اس نے جلدی سے اپنا دامن سمیٹنے کی کوشش کی۔ "میرا کسی قصے سے کوئی لینا دینا نہیں۔ مجھے جانے دو۔"

ریحان نے ایک لمحے کو جیسے اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی۔

اگلے ہی لمحے وہ تقریباً بھاگتے ہوئے وہاں سے نکل گئی۔ سیاہ چادر ہوا میں پیچھے لہرائی، اور اس کے قدموں کی چاپ گھاس پر دھندلی ہوتی گئی۔

زہرہ دیر تک اسی جگہ کھڑی رہی۔ اس کے ذہن میں ایک خیال جیسے جم سا گیا: اگر وہ واقعی کچھ نہیں جانتی۔۔۔ تو اتنا گھبرائی کیوں؟

اس نے مٹھی میں بند گھنگرو کو اور زور سے پکڑا، جیسے دھات کی ٹھنڈک سے اپنے اندر کی تپش کو سرد کرنا چاہتی ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

اتوار کی دوپہر تھی۔ لاؤنج میں کھانے کے بعد چاروں - حارث، آرزو، ریحان اور زہرہ - اپنے اپنے انداز میں سستائے بیٹھے تھے۔ کھڑکیوں سے چھن کر آتی روشنی قالین پر دھبے بنا رہی تھی، اور اطراف میں ابھی تک کھانے کی ہلکی سی خوشبو رچی ہوئی تھی۔

حارث نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے آرزو کی طرف دیکھا۔ "تمہاری کزن بھی آئی ہوئی ہے۔ تم نے شادی کا البم دکھایا؟"

آرزو نے بے نیازی سے گردن ہلائی۔ "ہاں، وہ تو دکھا دیا تھا۔"

حارث کے چہرے پر ہلکی سی شوخی آئی۔ "تو پھر کچھ پرانے البم منگوالو۔ سب مل کر دیکھتے ہیں۔ میں ذرا اپنے بھائی کے ساتھ پرانی یادیں تازہ کروں۔"

آرزو نے مہرو کو آواز دی۔ "مہرو! میرے بیڈ روم کی الماری سے دو البم لے آؤ۔ ایک پر 'فیملی' لکھا ہے، دوسرے پر 'بچپن'۔"

مہرو جانے ہی والی تھی کہ آرزو نے اضافہ کر دیا۔ "اور وہ ناعمہ کی شادی والا بھی لے آؤ۔"

حارث نے جیسے روکنا چاہا۔ "آرزو!"

آرزو نے ہنستے ہوئے ہاتھ اٹھا دیا۔ "جانتی ہوں میرا شوہر مجھے بہت چاہتا ہے۔ میں اب اس کی پہلی محبت سے عدم تحفظ کا شکار نہیں ہوتی۔"

کچھ ہی دیر بعد مہرو تین البم اٹھائے آ گئی۔ جلدوں پر وقت کی گرد تھی۔ اس نے البم میز پر رکھے اور چپ چاپ پیچھے ہٹ گئی۔

حارث نے 'بچپن' والا البم کھولا۔ شروع کی تصویروں میں تینوں بہن بھائی موجود تھے - حارث، ریحان اور حنا - گول گالوں والے، آنکھوں میں بے فکری۔

ایک تصویر پر نظر پڑتے ہی حارث کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ریحان چھوٹا سا تھا، بال عجیب زاویے سے کھڑے، اور ہاتھ میں لکڑی کی تلوار، جیسے پورا سنگِ سراب اسی کا میدانِ جنگ ہو۔ حنا اس کے پیچھے کھڑی تھی، اس کے سر پر ہاتھ رکھے، اور چہرے پر ایسی سنجیدگی جیسے وہ واقعی اس 'سپاہی' کی نگران ہو۔

حارث نے تصویر کے کونے پر انگلی رکھی۔ "دیکھو اسے۔ یہ تب بھی خود کو ہیرو سمجھتا تھا۔ اور میں تب بھی اس کی تلوار چھپا دیتا تھا کہ کہیں یہ کسی کا سر نہ پھوڑ دے۔"

ریحان نے ناک سکیڑی۔ "کم از کم میں رویا تو نہیں تھا۔"

حارث نے فوراً اگلی تصویر پلٹی۔ "اچھا؟ یہ کون ہے پھر، جو روتے روتے کیمرہ مین پر چڑھ رہا ہے؟"

آرزو نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "یہ تو آپ ہی ہیں۔"

حارث نے چہرے پر مصنوعی سنجیدگی طاری کی۔ "یہ زاویہ غلط ہے۔"

زہرہ بھی ہنس دی، مگر ہنسی کے پیچھے اس کا ذہن مسلسل وہی چیزیں گن رہا تھا: تاریخیں، چہرے، رشتے۔

'فیملی' والا البم نکالا تو تصویریں زیادہ رسمی نکلیں۔ عمارت کے ہال، بڑے بوڑھے، تقریبات، اور ہر تصویر کے ساتھ ایک تاریخ، جیسے ہر خوشی کے نیچے کوئی راز دبایا گیا ہو۔

آخر میں نائمہ کی شادی والا البم کھلا۔ کاغذ پلٹنے کی آواز تیز لگنے لگی۔ تصویروں کے رنگ—سبز، سنہری، سرخ—اچانک آنکھوں میں چبھنے لگے۔

زہرہ نے جیسے ہی نائمہ کی ایک تصویر دیکھی، اس کی ریڑھ کی ہڈی میں عجیب سی سنسناہٹ دوڑ گئی۔ ایسی سنسناہٹ جیسے کسی نے سرد انگلی سے گردن کو پیچھے سے چھو لیا ہو۔

زہرہ کے کانوں میں اپنے ہی کہے ہوئے الفاظ گونجنے لگے: کوئی تو ایسا ہے۔۔۔ جو ہر دور میں اسی عمارت کا حصہ بنا رہا۔ حنا، نائمہ۔۔۔ اور اب میں، آرزو۔ وہ کون ہے؟ اس کے محرکات کیا ہیں؟

البم بند ہو گئے لیکن ایک در وا کر گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

دھوپ ڈھلنے لگی تو زہرہ نے اپنی بات کو 'انتظامی' فکر کا لباس پہنا دیا۔

"خاتون بی بی۔" اس نے نرم مگر صاف آواز میں پکارا۔ "میں ذرا سرونٹ کوارٹرز دیکھ لوں؟ آنے والے دنوں میں یہاں رینوویشن کا سوچا جا رہا ہے۔ ذرا دیکھ لوں کیا کچھ کروانا ہو گا۔ وارننگ تو ہو گی ہی لیکن اس کے علاوہ بھی۔۔۔" اس نے سہولت سے جملہ ادھورا چھوڑا۔

خاتون بی بی نے ایک لمحہ زہرہ کو دیکھا، جیسے پرکھ رہی ہو کہ یہ سوال واقعی نظم و ضبط کا ہے یا کچھ اور۔ پھر اس نے ماتھا سمیٹا، چابیوں کی گٹھڑی کو ہاتھ میں ٹھیک کیا اور بولی۔ "آ جائیں بی بی جی۔ پچھلی سائیڈ ہے۔ دور سے تو آپ نے کئی بار دیکھا ہو گا۔"

زہرہ اس کے ساتھ چل پڑی۔ قدم معمول کے تھے، مگر اندر کی ساری توجہ راستوں، موڑوں اور دروازوں پر ٹھہرتی جا رہی تھی۔ عمارت کا یہ حصہ نسبتاً خاموش تھا: چند کمروں کی قطار، دروازوں کے اوپر چھوٹی چھتیں،

سامنے تنگ سا احاطہ اور ایک چھوٹا، پست قد آہنی گیٹ۔

خاتون بی بی نے دو کمروں کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ حصہ خالی ہے، یہ کچن کے قریب ہے، اور یہ۔۔۔" وہ بولتی گئی۔

زہرہ نے بس اتنا دیکھا جتنا دیکھنا 'ضروری' تھا۔ لیکن جب وہ کمروں کے سامنے والے حصے سے باہر نکلی تو نظر دیوار کے ساتھ لگی کیاریوں پر پڑی۔ باقی سبھی پھولوں پر سے نظر سرکتی۔۔۔ ایک پودے پر ٹھہر گئی۔

سیاہ گلاب۔

وہ رنگ جسے لوگ سیاہ کہتے ہیں، حقیقت میں اکثر اتنا گہرا مخملی سرخ یا جامنی ہوتا ہے کہ سایہ اور روشنی اسے سیاہ بنا دیتے ہیں۔ پودوں میں 'خالص سیاہی' کا روغن نہیں ہوتا؛ اس لیے گلاب کی جو اقسام بہت گہرے اینتھوسیانن (سرخ، جامنی) روغن بناتی ہیں وہی اس تاثر کے قریب پہنچتی ہیں۔ دن کی تیز دھوپ میں وہی پنکھڑی گہری شرابی لگتی ہے، اور شام کے سائے میں یکدم سیاہ۔

یہاں پھول کی کلی واقعی غیر معمولی تھی: کناروں پر تقریباً سیاہ مخمل، اندر گہرا خون رنگ، اور پنکھڑیوں کی سطح پر ہلکی سی چمک جو اسے رات کی طرح گہرا کر دیتی تھی۔ جیسے رنگ نے روشنی کو پی لیا ہو۔

زہرہ کے ذہن میں خود بخود فرق روشن ہوا: سیاہ گلاب 'بنایا' بھی جاتا ہے اور 'اگایا' بھی۔

'بنایا' اس طرح کہ کٹا ہوا سفید یا ہلکے رنگ کا گلاب پانی میں گھلی رنگت (ڈائی یا سیاہی) پی لیتا ہے۔ تنے کی نالی دار رگیں وہ محلول اوپر پنکھڑیوں تک پہنچا دیتے ہیں، اور چند گھنٹوں میں پھول کا رنگ مصنوعی طور پر گہرا پڑ جاتا ہے۔ یہ پھول کا تاثر ہے، پودے کی حقیقت نہیں۔

'اگایا'اس طرح کہ پہلے ہی ایسی قسم چنی جائے جس کا رنگ بہت گہرا ہو، پھر اس کے لیے حالات اس انداز سے سنبھالے جائیں کہ رنگ کھل کر آئے: مٹی کا نکاس اچھا ہو، نامیاتی غذا مناسب ہو، پانی نہ کم پڑے نہ ضرورت سے زیادہ ہو، اور دھوپ اتنی ملے کہ پودا مضبوط رہے مگر دوپہر کی تیز لو پنکھڑیوں کو جلا کر رنگ توڑ نہ دے۔ ٹھنڈی راتیں اور معتدل دن عموماً رنگ کو مزید گہرا کر دیتے ہیں۔

یہ جگہ پنجاب کے کسی قصبے کے قریب ہو تو کھلے موسم میں یہ رنگ سال بھر ایک جیسا رکھنا آسان نہیں۔ گرمیوں کی تیز دھوپ اور لو میں کلیاں جھلس سکتی ہیں اور گہرا پن کم ہو سکتا ہے۔ لیکن سردیوں میں یا جزوی چھاؤں، ہوادار جگہ، باقاعدہ آبپاشی، اور ضرورت پڑے تو گملے/نرسری جیسے نیم محفوظ ماحول میں یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ گلاب اپنی انتہائی گہری رنگت کے قریب رہے۔ یعنی یہاں یہ پودا 'ہو' سکتا تھا، مگر اسے قائم رکھنا عام شوقین کے بس کی بات نہیں۔

زہرہ نے قریب ہو کر دیکھا تو ایک اور بات سمجھ میں آئی: یہ پودا کسی اتفاق سے نہیں لگایا گیا تھا۔ اس کی دیکھ بھال کا انداز، مٹی کی صفائی، اور تنے پر بندھی نرم رسی۔۔۔ سب کچھ بتا رہا تھا کہ اسے مقصد بنا کر رکھا گیا ہے۔

اس مقصد کا نام اس کے ذہن میں ایک لفظ بن کر ابھرا۔

جنون!

جنون کوئی جذباتی شور نہیں، یہ تو شعور کی ضد ہے۔ ایک ایسی یک رُخی کیفیت جس میں انسان اپنی ساری توانائی ایک ہی سمت میں باندھ دیتا ہے اور باقی سمتیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ جنون میں سوال کم رہ جاتے ہیں، یقین بڑھ جاتا ہے۔ دلیل پیچھے ہٹتی ہے اور ارادہ سامنے آ جاتا ہے۔ جنون میں چیزیں وہ نہیں رہتیں جو ہیں، وہ بن جاتی ہیں جو

ہونا 'ضروری' سمجھ لی جائیں۔

زہرہ نے پلکیں جھپکیں۔ سیاہ گلاب کی کلی جیسے اسی کیفیت کی تصویر تھی: خوبصورتی بھی، سختی بھی، اور ایک ایسا گہرا رنگ جو روشنی میں بھی تاریکی پر اصرار کرتا ہے۔

خاتون بی بی نے اس کے رکنے پر کہا۔ "بی بی جی، چلیں؟ اور بھی کمرے دیکھنا باقی ہیں۔"

زہرہ نے سر ہلا دیا۔ "ہاں، بس۔"

وہ دوبارہ چل پڑی، مگر اب اس کا دھیان کمروں کے دروازوں پر نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں وہ کلی رہ گئی تھی جو بظاہر پھول تھی، مگر حقیقت میں ایک اعلان۔

☆☆☆☆☆☆☆

تب دونوں کی عمر چودہ برس تھی۔

حنا نے مہرو کے ہاتھ پر اپنی انگلی رکھ دی، جیسے کسی بے چین پرندے کے پروں پر آہستہ سے ہتھیلی رکھ دی جاتی ہے۔ پھر اس نے کھڑکی کے پردے کے پیچھے سے آتی دھوپ کی لکیروں کو دیکھا اور دھیرے سے کہا۔ "میں تمہیں ایک چھوٹی سی فیری ٹیل سناؤں؟ یہاں نہیں، کسی اور جگہ کی۔"

کسی بستی کے کنارے ایک جنگل تھا جس میں چاندنی بھی دھند جیسی لگتی تھی۔ وہاں ایک لڑکی رہتی تھی جس کے پاس ایک ننھا سا ہرن تھا، سفید اور نرم، جس کی گردن میں نیلی ربن بندھی رہتی۔ وہ ہرن لڑکی کا دوست تھا۔ ہر

شام وہ دونوں دریا کے کنارے جاتے، اور ہرن اپنے ننھے سموں سے پانی میں لہریں بناتا، جیسے دنیا کے دکھوں کو چھوٹے چھوٹے حلقوں میں توڑ رہا ہو۔

ایک دن جنگل میں ایک میٹھی آواز گونجی۔ آواز نے کہا۔ "آؤ، میں تمہیں ایسی گھاس دکھاؤں جو تمہیں کبھی تھکنے نہیں دے گی۔" ہرن چونک اٹھا۔ وہ گھاس اصل میں جادوئی نہ تھی، وہ ایک ایسا راستہ تھا جو دلدل تک جاتا تھا۔ لڑکی نے ہرن کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں وہی ضد تھی جو صرف محبوب چیزوں کے لیے ہوتی ہے۔ لڑکی نے اسے روکا۔ "نہیں۔" ہرن نے کان جھٹکے۔ "تم مجھے قید کر رہی ہو؟" لڑکی نے اسے بانہوں میں نہیں بھینچا، نہ زنجیر ڈالی۔ بس اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنی نرم آواز کو سخت کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تم آج گئے تو کل میں تمہیں ڈوبتا دیکھوں گی۔ میں تمہاری آزادی سے نہیں لڑ رہی، میں تمہاری موت سے لڑ رہی ہوں۔"

ہرن نے پھر بھی قدم بڑھایا۔ لڑکی نے اسے زور سے ٹوکا، اتنا زور سے کہ جنگل کے پرندے خاموش ہو گئے۔ پھر اس نے ایک لکیر کھینچ دی۔ "یہ حد ہے۔ یہاں سے آگے نہیں۔" ہرن کو پہلی بار لگا کہ دوستی صرف سایہ نہیں، چراغ بھی ہے۔ چراغ کبھی کبھی چمک کے ساتھ جلتا ہے، اور جلنے میں ذرا سی تپش ہوتی ہے۔ اسی تپش سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے، مگر ہاتھ کٹنے سے بچ جاتا ہے۔

حنا نے سانس لے کر کہا۔ "دوست کا سختی سے ٹوکنا اس لیے ضروری ہے کہ کچھ راستے ایسے ہوتے ہیں جہاں 'ساتھ چلنا' بچانا نہیں ہوتا، بس ساتھ مرنا ہوتا ہے۔ دوستی کا مقصد مرنے میں وفادار ہونا نہیں، جینے میں ذمہ دار ہونا ہے۔"

"ذرا بتاؤ، میری سہیلی مجھ سے کتنی محبت کرتی ہے؟" مہرو نے پوچھا۔

حنا نے نرمی سے جواب دیا۔ "جتنا ایک سچی سہیلی کو کرنی چاہیے۔"

اب مہرو بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔ "یہ پیمانہ مجھے سمجھ نہیں آتا۔ کتنی؟ آج جتنی؟ کل جتنی؟ جب تم مصروف ہو، جب تم تھک جاؤ، جب تمہیں کوئی اور آواز بلا لے؟"

حنا مسکرائی۔ "محبت میں جگہ بھی ہوتی ہے۔"

مہرو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں تکلیف نہیں دوں گی۔ میں تمہیں بچا لوں گی۔"

"کس سے؟" حنا کی آواز میں احتیاط اُتر آئی۔

"ہر اس چیز سے جو تمہیں مجھ سے دور لے جا سکتی ہے۔"

حنا کے چہرے پر خاموشی جم گئی۔

مہرو نے سر ذرا سا ٹیڑھا کیا، جیسے کسی معصوم سوال کا جواب ڈھونڈ رہی ہو۔ "میں اس سوال کا جواب دینا چاہتی ہوں جو تم نے پوچھا نہیں۔۔۔ آخر مہرو اپنی سہیلی سے کتنی محبت کرتی ہے!" اس کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔ "اتنی کہ اگر تم نے مجھے چھوڑا۔۔۔ تو میرے اندر کچھ بھی سلامت نہیں رہے گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

گرمی کی لمبی دوپہروں میں سوہاوہ کی ہوا بھی جیسے گرم سانس لے کر آتی تھی۔ آسمان سفید پڑ جاتا، اور عمارت کے در و دیوار پر دوپہر ایسی پڑتی جیسے کسی نے دھوپ کی چادر تان دی ہو۔ انہی دوپہروں میں حنا اپنے کمرے کے پردے گرا دیتی، پنکھا پوری رفتار سے چلتا رہتا، اور ٹیپ ریکارڈر کے بٹن دبنے کی ٹِک کے ساتھ پرانے گانے کمرے میں پھیل جاتے۔

حنا اور مہرو دونوں نیچے دری پر لیٹی تھیں۔ دیوار کے ساتھ رکھے گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے، ٹانگیں آدھی مڑی ہوئی، جیسے وقت کو ذرا سست کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ حنا کے کمرے میں ٹھنڈک تھی، مگر مہرو کے وجود میں وہی سرونٹ کوارٹر والی گھٹن رچی ہوئی تھی جو گرمی میں اور گہری ہو جاتی۔

مہرو کو یہاں آئے برسوں ہو گئے تھے۔ اس کی ماں نیرہ- باورچن- اسے چھ سال کی عمر میں اس جگہ لے آئی تھی۔ شوہر مر چکا تھا، اور نیرہ کے ماں باپ کی ضد تھی کہ دوسری شادی کر لو۔ مگر نیرہ بیٹی کو چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ اس نے عمارت کی ملازمت کو ڈھال بنا لیا تھا: 'میں کام پر ہوں، بچی میری ذمہ داری ہے۔' اسی ذمہ داری میں مہرو بڑی ہوئی۔ کچن کی بو، گرم دیگوں کی بھاپ، اور امیروں کے گھروں کے قاعدے۔

گانا مدھم ہوا تو حنا نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مہرو، دوستی کیا ہے؟"

مہرو نے پلکیں بند کیں، جیسے لفظ ڈھونڈنے کے لیے اندر اتر گئی ہو۔ "دوستی۔۔۔ میرے لیے وہ رشتہ ہے جس میں آدمی اپنی ساری حفاظتیں اتار دیتا ہے۔ وہ جگہ جہاں ثابت نہیں کرنا پڑتا کہ ہم سچے ہیں، کیونکہ ہماری سچائی دوسرے کے دل میں پہلے ہی درج ہوتی ہے۔"

حنا نے آہستہ سے کروٹ بدلی۔ "اور اس میں شرط کیا ہے؟"

مہر و نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر جیسے جملہ ناپا۔ "شرط نہیں۔۔۔ وفا۔ وفا کا مطلب صرف ساتھ چلنا نہیں، ساتھ رہنا ہے۔ انسان کے اچھے دنوں میں سب ساتھ رہ لیتے ہیں، دوستی وہ ہے جو ہمارے برے وقت میں ہمیں اپنا نام دے۔ جو ہم گر جائیں تو ہمیں گرا ہوا نہ کہے۔ ہمیں اٹھا کر کھڑا کرے اور پھر بھی شرمندہ نہ کرے۔"

حنا نے فوراً کوئی ردِ عمل ظاہر نہ کیا۔ پنکھے کی ہوا میں پردے ہلے تو اس نے دھیرے سے کہا۔ "یہ تو بہت خوبصورت بات ہے۔ مگر کیا دوستی میں عقل کا حصہ نہیں ہوتا؟"

مہر و نے ہلکا سا ماتھا سکیڑا۔ "عقل۔۔۔ ہوتی ہے۔ مگر دوستی میں عقل کا کام فیصلے کرنا نہیں، سمجھنا ہے۔ دوست وہ ہے جو ہماری کمزوری کو ہتھیار نہیں بناتا۔ وہ آئینہ دکھاتا ہے، مگر ایسا آئینہ نہیں جو چہرہ توڑ دے۔"

حنا نے تکیے کی دھار پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ "اور اگر دوست خود اپنی بربادی کی طرف جا رہا ہو؟ غلطی کر رہا ہو، خود کو نقصان پہنچا رہا ہو؟"

مہر و نے لمحہ بھر کو خاموشی میں سانس لی۔ "پھر بھی۔۔۔ اسے چھوڑا نہیں جاتا۔ تھاما جاتا ہے۔" اس کی آواز میں اچانک ضد سی آ گئی۔ "دوستی میں چھوڑ دینا سب سے آسان ہے، اصل دوستی وہ ہے جو بھاگنے نہیں دیتی۔"

حنا نے نظریں سکیڑیں، مگر نرم لہجے میں ہی بولی۔ "میں بھی 'چھوڑنے' کی بات نہیں کر رہی۔ حد کی بات کر رہی ہوں۔ کبھی کبھار دوست کو بچانے کے لیے سخت ہونا پڑتا ہے۔ باپ جیسی سختی، استاد سی نگرانی۔"

مہر و کے لیے دوستی ایک ایسا عہد تھا جس میں قانون صرف ایک تھا: چھوڑنا نہیں۔

☆☆☆☆☆☆

مہرو چھ برس کی تھی۔

نیرہ کا دوپٹا آٹے اور ہانڈی کی خوشبو میں رچا ہوا تھا اور مہرو کا ہاتھ اس کی انگلی میں ایسے الجھا ہوا تھا جیسے سنگِ سراب کی اونچی دیواریں اسے پیچھے کھینچ رہی ہوں۔

سرونٹ کوارٹرز کے باہر، عقبی لان میں، ایک پرانی کرسی رکھی تھی۔ نیرہ اندر باورچی خانے کی طرف چلی گئی تو مہرو وہیں چپ چاپ بیٹھ گئی۔ ارد گرد کی خاموشی اسے بھاری لگ رہی تھی۔ اتنا بڑا گھر، اونچی سیڑھیاں، کشادہ کمرے—اسے یہ نئی جگہ بے حد اجنبی لگی۔

کچھ ہی دیر میں گھاس پر قدموں کی ہلکی سی چاپ سنائی دی۔

مہرو نے سر اٹھایا۔

گھر کے اندرونی حصے سے ایک لڑکا آیا تھا۔ وہ اس سے عمر میں بڑا تھا۔ صاف ستھرے بال، لباس بھی نیا مگر چہرے پر عجیب سی سنجیدگی۔ وہ سیدھا آگے نہیں بڑھا، پہلے اس نے چاروں اطراف میں نظر دوڑائی۔

لان کے ایک طرف جہاں کرسیاں میز رکھے تھے وہیں حنا بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے باربی ڈول کا پورا سیٹ پھیلا ہوا تھا: دو گڑیاں، ان کے کپڑے، جوتے، اور ہیئر برش۔ حنا اپنے کھیل میں مگن تھی، مگر اکیلے کھیلنے میں بھی ایک بے قراری تھی۔

وہ لڑکا (حارث) حنا کے قریب پہنچا، کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کی نظر مہرو پر پڑی۔

مہرو نے فوراً نظریں جھکالیں، جیسے غلطی سے کسی کے گھر کی خوشی دیکھ لی ہو۔

حارث نے کچھ نہیں کہا۔ بس ہلکے سے انگلی اٹھا کر اشارہ کیا- آؤ۔

مہرو کی ٹانگیں جیسے کرسی سے چپک گئیں۔ پھر اس نے ہمت کی، آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آگے آئی۔

حارث نے حنا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "حنا، اسے بھی ساتھ کھلاؤ۔"

حنا چونکی۔ حارث اس کا بڑا بھائی تھا، اور اسے خوش کرنا حنا کی اولین ترجیح۔

اس نے مسکرا کر ایک گڑیا اٹھائی اور مہرو کی طرف بڑھادی۔

"یہ لو۔۔۔ اس کے کپڑے تم بدلو۔"

مہرو نے گڑیا کو ہاتھ لگایا تو اس کے ہونٹ خود بخود پھیل گئے۔ اتنی صاف، اتنی خوبصورت- ایسی چیز اس نے پہلے کبھی اپنے ہاتھ میں نہیں تھامی تھی۔

اس نے ایک لمحے کو حنا کی طرف دیکھا، پھر دھیرے سے گڑیا اپنے سینے سے لگائی۔

اور جب اس نے دوبارہ ادھر دیکھا، حارث وہاں نہیں تھا۔ جیسے وہ صرف اتنا کہنے آیا ہو کہ اس کے ہوتے مہرو اداس نہ ہو، اسے اکیلا نہ رہنے دیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام کے وقت سامنے کے لان میں چھوٹی سی تقریب کا انتظام کیا گیا تھا۔ رنگ برنگے غبارے، کاغذی جھالر، اور بچوں کی ہنسی سے بھری ہوئی۔ حنا کی سالگرہ تھی، اور یہ مکمل طور پر بچوں کی پارٹی تھی- حنا، ریحان اور حارث کے دوستوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ بڑوں میں بس ان کے ماں باپ موجود تھے: ثریا اور اشفاق مرزا۔

مہرو کچھ دیر قبل سرونٹ کوارٹر سے آئی تھی، نیرہ کے ساتھ۔ اس نے اپنا دوپٹا ٹھیک کیا اور خود کو ایک کونے میں سمیٹ لیا۔ یہ سب اسے اکثر اجنبی سا لگتا- بچوں کے قہقہے، اور بڑے لان کی کھلی روشنی بھی۔

حنا اپنے گلابی فراک میں سب سے الگ دکھ رہی تھی۔ ریحان دوڑتا پھر رہا تھا، کبھی غبارہ پکڑتا، کبھی کسی دوست کو آواز دیتا۔ اور حارث- وہ سب کے درمیان بھی تھا اور الگ بھی۔ وہ کھیل نہیں رہا تھا، بس نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ جیسے اسے ذمہ داری کا مطلب بہت جلد سمجھ آ گیا ہو۔

کیک لایا گیا تو سب بچوں نے شور مچا دیا۔ حنا نے دونوں ہاتھوں سے چھری پکڑی، ثریا نے ہلکے سے اس کے ہاتھ کو سہارا دیا اور اشفاق مرزا مسکرا کر تصویریں بنانے لگے۔

"ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین!"

کیک کٹ گیا، تالیاں بجیں۔

حنا نے رسم کے مطابق پہلا پیس اٹھایا۔ اس کی نگاہ سیدھی حارث پر گئی۔ وہ دو قدم آگے بڑھا، ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ تھی۔

حنا نے پیس اس کی طرف بڑھایا۔

حارث نے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔اس نے بس نظر اٹھا کر مہرو کی طرف دیکھا، جو حنا کے بازو کے قریب ہی خاموش کھڑی تھی۔ پھر اس نے ہلکے سے اشارہ کیا-یوں جیسے مزید کچھ کہنا ضروری نہ ہو۔

حنا اس کا ہر اشارہ سمجھتی تھی۔وہ ذرا سا مڑی اور پیس مہرو کی طرف لے آئی۔

"یہ تم کھاؤ۔"

مہرو کی سانس ایک دم اٹک گئی۔اتنے سارے لوگوں کے بیچ، اتنی روشنی میں، اس کا نام کسی نے نہیں پکارا تھا- اسے بس وہ اشارہ پکار رہا تھا۔

وہ پیس لینے کو ہاتھ بڑھانے ہی والی تھی کہ حنا نے ہنستے ہوئے پیس اس کے منہ کے قریب کر دیا۔

مہرو نے چھوٹا سا نوالہ لیا۔کریم کی مٹھاس اس کے ہونٹوں پر لگی تو وہ گھبرا کر ہنس دی، جیسے اسے ہنسنا نہیں آتا تھا پھر بھی ہنسی خود بخود نکل آئی۔

ریحان نے تالیاں بجائیں۔

یوں پہلا پیس مہرو کے نام ہوا۔

مہرو کے اندر ایک بات جڑ گئی: حارث نے اسے دیکھا تھا۔سب کے بیچ، اسے۔ جیسے وہ اس گھر کے کونے میں کھڑی چیز نہیں، کوئی انسان ہے۔

حارث نے بس اتنا کیا تھا کہ اپنے ساتھ والے بچوں کی خوشی میں ایک خاموش بچے کو بھی شامل کر دیا تھا۔اس میں کوئی رومان نہیں تھا، کوئی وعدہ نہیں تھا- صرف خیال۔

اور مہرو نے اسی خیال کو برسوں تک اپنے اندر ایک معنی بنا کر رکھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ وقت جب مہرالنساء کی عمر تیرہ برس تھی، عمارت کے دن بھی جیسے لمبے اور سایہ دار ہوتے تھے۔تب تک سب اسے پورے نام سے پکارتے تھے: مہرالنساء۔ سکول والے، گھر کے بڑے، نوکر اور حنا بھی۔ حنا سے اس کی دوستی چھ برس کی عمر میں ہو گئی تھی، تب سے دونوں کی ہنسی اور سرگوشیاں ایک دوسرے کے بغیر ادھوری تھیں۔

اس شام ریحان لان میں اپنے دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا تھا۔ گیند کبھی گھاس پر زور سے ٹکراتی، کبھی کسی کے قہقہے میں گم ہو جاتی۔ سامنے والے لان میں شور تھا، عقبی لان میں ایک الگ سی خاموشی۔ وہیں مہرالنساء اور حنا گھاس پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھیں۔ درمیان میں کیرم بورڈ رکھا تھا، جس کے کناروں پر چاک کے ہلکے سے نشان لگے تھے اور گولیاں بار بار پھسل کر ہاتھ کی حد سے نکل جاتی تھیں۔

"دیکھو۔" حنا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس بار سیدھا نشانہ لگانا۔"

مہرالنساء نے گولی کو انگلی سے ہلکا سا ٹھونکا، مگر ذرا سی چالاکی بھی کی۔اس نے جان بوجھ کر بورڈ کو ذرا سی حرکت دی تاکہ گولی اس کے حق میں چلی جائے۔

اسی لمحے پیچھے سے کسی کے قدموں کی آواز آئی۔ وہ آواز ایسی تھی جیسے کسی کا آنا بہت عام ہو، مگر دیکھنا نہیں۔ حارث سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا، جیسے وہ کرسی اسی کی منتظر ہو۔ عصر کی اترتی دھوپ اس کے چہرے پر چھن چھن کر پڑ رہی تھی، آنکھوں میں روشنی چمک رہی تھی۔ مہرالنساء کو یوں لگا جیسے وہ روشنی صرف اسے دیکھ رہی ہے۔

حارث نے کیرم بورڈ کے کنارے کو دیکھا، مہرالنساء کے ہاتھ کو، پھر حنا کی طرف رخ کر کے مسکرا دیا۔ "حنا، تمہاری دوست نے اپنا نام تو بتایا نہیں۔" اس کی آواز میں ہلکی سی شرارت تھی، وہ مہرالنساء کی چیٹنگ نوٹ کر چکا تھا۔

مہرالنساء چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس نے فوراً اپنی انگلیوں کو بورڈ کے کنارے سے ہٹا لیا، جیسے جرم کا ثبوت چھپانے کی کوشش ہو۔

حنا نے ہلکی سی جھنجھلاہٹ کے ساتھ کہا۔ "بھائی، آپ کو پتہ ہے۔ تنگ نہ کریں۔"

حارث نے ہنستے ہوئے ہاتھ اٹھا دیا۔ "ارے، اتنا لمبا نام تھا کہ ہاسٹل جاتے ہوئے آدھا راستے میں ہی بھول گیا۔"

مہرالنساء کے گالوں میں یکدم جیسے حرارت سی دوڑ گئی۔ "مہرالنساء۔" اس نے جلدی سے کہا، جیسے نام بچا رہی ہو، یا اپنے آپ کو۔

حارث کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ "حنا، تمہاری دوست جتنی کیوٹ ہے، اس کا نام بھی ویسا ہی ہونا چاہیے۔"

.حنا نے ہنسی دبائی۔ "بھائی!"

حارث نے جیسے کچھ سوچتے ہوئے سادہ سے انداز میں کہا۔ "مہرو۔"

مہرالنساء نے فوراً نظریں کیرم بورڈ پر گاڑ لیں، مگر اب گولیوں کے دائرے بھی اسے صاف نظر نہیں آ رہے تھے۔ ریحان کے لان سے گیند کے لگنے کی آواز آئی، دوستوں کا شور اٹھا، پھر دب گیا۔ عقبی لان میں بس ایک لفظ رہ گیا: مہرو۔

حارث کچھ دیر اور بیٹھا رہا۔ وہ کسی بات پر غور نہیں کر رہا تھا، بس اپنے ہاتھوں میں ایک ہلکا بھورا رومال مسلسل مروڑ رہا تھا۔ رومال کی تہیں اس کی انگلیوں کے گرد ایسے لپٹتی تھیں جیسے بے خبری میں کوئی عادت بن گئی ہو۔ پھر اچانک وہ لاپرواہی سے اٹھا، کرسی کے سامنے رکھی میز پر وہ رومال چھوڑ دیا، اور سامنے والے لان کی طرف چل دیا۔ جیسے اسے یہاں بیٹھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

مہرالنساء جب اٹھنے لگی تو اس کی نظر کرسی کے سامنے رکھی میز پر پڑی۔ ہلکا بھورا رومال۔ حنا بورڈ کی طرف جھکی ہوئی گولیاں سمیٹ رہی تھی۔ مہرالنساء نے حنا سے نظر بچا کر رومال اٹھا لیا، یوں جیسے کوئی گمشدہ چیز اچانک مل گئی ہو۔

اس کی آخری سوچ یہی تھی: اس نے حنا کو میری بے ایمانی کا نہیں بتایا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں ہی جیتوں۔

"مہرو" اس کے کان میں دیر تک گونجتا رہا۔

اس رات سونے سے پہلے، جب سب کمرے خاموش ہو گئے اور عمارت کی دیواروں نے بھی سانس روک لی، مہرالنساء نے وہ رومال نکالا۔ اسے ہتھیلی پر پھیلایا، پھر چپکے سے سونگھا۔ اس سے سوندھی سی خوشبو آ رہی تھی، نہ زیادہ تیز، نہ میٹھی۔ بس ایسی جو دل کے اندر کہیں دیر تک رہ جائے۔

"مہرو۔" کسی نے جیسے چپکے سے اس کے کان میں کہا۔

اگلے ہی دن اس نے ماں سے کہا۔ "مجھے اپنا نام بدلنا ہے۔"

ماں نے حیران ہو کر دیکھا۔ "کیوں؟ کیا ہوا؟ اچھا بھلا تو نام ہے۔"

مہرالنساء نے نظریں یہاں وہاں گھماتے جیسے کسی راز کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔ "نہیں، میں نے اس سے بہتر نام سنا ہے۔ مہرو۔ اب سے آپ مجھے مہرو کہا کریں۔"

ماں نے پہلے ہنسی میں ٹالنے کی کوشش کی، پھر بیٹی کے چہرے پر ضد دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ نام یونہی نہیں بدل لیے جاتے۔۔۔ مگر بعض اوقات ضد بھی عمارت کی دیواروں کی طرح مضبوط ہوتی ہے۔

اسی دن مہرالنساء نے حنا سے بھی کہا۔ "مجھے مہرو کہا کرو۔"

حنا نے جیسے فوراً اس نئے نام کو پسند کر لیا۔ "ہاں، مہرو۔ اچھا لگتا ہے۔ بھائی ویسے ہی کچھ بھی نہیں کہتے۔ یہ نام تمہیں زیادہ سوٹ کرتا ہے۔"

پھر رفتہ رفتہ سب اسے مہرو کہنے لگے۔ اور اگر کبھی نیرہ، یا کوئی اور اسے غلطی سے 'مہرالنساء' کہہ دیتا تو وہ بہری بن جاتی۔ تب تک جواب نہ دیتی، جب تک کوئی اسے 'مہرو' نہ کہہ دے۔

☆☆☆☆☆☆☆

حارث کا کمرہ ہمیشہ باقی کمروں سے ذرا مختلف لگتا تھا۔ کم بولتا، کم بکھرا ہوا، اور اپنی جگہوں پر ٹکا ہوا۔ دوپہر کی روشنی پردوں کی جھریوں سے اندر آ رہی تھی۔ صفائی والی ملازمہ نے چادر جھاڑی، میز پونچھی، پھر الماری کے دروازے کو ہلکے سے بند کر رہی تھی کہ حنا دھڑام سے اندر آئی۔

"سکاچ ٹیپ چاہیے!" اس نے ایک دم اعلان کیا، جیسے اس وقت یہی دنیا کی سب سے اہم شے ہو۔ پھر مہرو کی کلائی پکڑ کر اسے بھی اندر کھینچ لائی۔

صفائی والی نے چونک کر کہا۔ "باہر اسٹور میں دیکھ لیں، چھوٹی بی بی۔"

حنا نے ناک سکیڑی۔ "نہیں۔ سکاچ ٹیپ کہیں اور ملے نا ملے، بھائی کی دراز سے ضرور ملتی ہے۔"

مہرو نے نگاہ اٹھا کر کمرے کو دیکھا۔ یہاں کی ہر چیز اسے نپی تلی لگی۔ کتابوں کی قطار، قلم، ایک چھوٹی سی نوٹ بک، اور میز کے کونے پر رکھا ہوا گھنٹے کا چھوٹا سا گھڑیال۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ کمرے کی ترتیب انسان کے مزاج جیسی بھی ہو سکتی ہے۔

حنا سیدھی میز کے قریب گئی، دراز کھینچی، ہاتھ اندر ڈالا، اور پل بھر میں سکاچ ٹیپ نکال کر ہوا میں بلند کر دی۔ پھر وہ فاتحانہ انداز میں مہرو کی طرف پلٹی۔

"دیکھو۔ کہا تھا نا!"

مہرو نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ یوں لگا جیسے یہ جیت حنا کی نہیں، اس کمرے کی تھی- کہ یہاں چیزیں ہمیشہ مل جاتی ہیں، جیسے یہاں رہنے والا انسان کبھی کسی کو بے یقین نہیں ہونے دیتا۔

صفائی والی ملازمہ نے کام سمیٹا، چادر کو ایک طرف سے سیدھا کیا اور باہر نکل گئی۔ کمرے میں اب صرف وہ دونوں رہ گئیں اور کتابوں کی خوشبو۔

حنا نے شیلف کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں انگریزی ناول، شاعری کی کتابیں، اور موٹی موٹی کاپیاں قطار میں تھیں۔" دیکھنا، ایک دن بھائی اسی گھر میں لائبریری بنوا کر چھوڑیں گے۔ کبھی کوئی ایسا لڑکا بھی دیکھا ہے؟"

وہ بات کرتے کرتے کرسی کے بازو پر ٹک گئی، جیسے کوئی بڑی کہانی سنانے والی ہو۔"ان کے پاس تھوڑی دیر بیٹھو نا- اتنی گہری باتیں کرتے ہیں کہ بس۔"

مہرو نے بے اختیار پوچھا۔"گہری باتیں۔۔۔ کیسی باتیں؟"

حنا نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔"یعنی، ایسے جیسے سب کچھ سمجھتے ہوں۔ اب تو گجرات میں کالج ہاسٹل میں رہنے گئے ہیں۔ میٹرک میں بھی دیکھو اے پلس آیا ہے۔ کاش میں بھی اتنی ذہین ہوتی! ہمارے پورے گھر میں حارث بھائی جیسا کوئی نہیں۔"

"ریحان بھی کچھ کم نہیں۔"

حنا نے ہاتھ لہرا دیا۔"ریحان کچھ اور ہے۔ بھائی۔۔۔ بھائی تو بس!"اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا، مگر اس ادھورے میں تعریف پوری کی پوری رکھی ہوئی تھی۔

مہر و نے دوبارہ شیلف کی طرف دیکھا۔ کتابوں کے سرے صاف تھے، جیسے انہیں اکثر ہاتھ لگایا جاتا ہو۔ وہ محتاط قدم اٹھاتی قریب گئی۔ انگلیاں خود بخود ایک کتاب کی پشت پر ٹھہر گئیں۔ کاغذ کی ٹھنڈک، جلد کی ہمواری- ایک لمحے کو اسے یوں لگا جیسے وہ کسی اور دنیا کے دروازے کو چھو رہی ہو۔

پھر فوراً اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا، جیسے کوئی گستاخی ہو گئی ہو۔ جیسے یہ چیزیں اس کی نہیں، اور وہ یہاں صرف دیکھنے کے لیے ہے، چھونے کے لیے نہیں۔

حنا نے اسے دیکھا تو ہنس کر کہا۔ "ارے چھو لو۔ بھائی ڈانٹیں گے نہیں۔"

مہر و نے کچھ نہیں کہا۔ بس اپنی انگلیاں دوپٹے میں چھپا لیں۔

حنا ہاتھ میں سکاچ ٹیپ لیے باہر جانے لگی تو دروازے پر مڑ کر بولی۔ "چلو، نیچے لگانا ہے۔"

مہر و نے جانے کے ارادے سے قدم اٹھائے، مگر اس کی نگاہ ایک لمحے کے لیے شیلف پر رک گئی۔ اسے آج ایک نئی بات ملی تھی: حارث کے کمرے میں چیزیں اپنی جگہ پر ہوتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

سردیوں کی دھیمی دھوپ تھی۔ سامنے والے لان میں گھاس ابھی نم تھی، مگر مہر واس کی پروا نہیں کرتی تھی۔ وہ لاؤنج کی بیرونی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے نیچے بیٹھی تھی۔ دونوں گھٹنے سینے سے لگائے، کتاب کھلی ہوئی، اور انگلیاں صفحے کے کناروں پر ایسے ٹھہری تھیں جیسے وہ کاغذ کو نہیں، اپنے اندر کی بے چینی کو قابو میں رکھ رہی ہو۔

کتاب کے سرورق پر سنہری حروف تھے۔

مہرو کی نگاہ لفظوں پر تھی، مگر دل کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ شاعری میں اسے وہ باتیں ملتی تھیں جو وہ کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی۔

قریب آتے قدموں کی آہٹ سنائی دی تو اس نے فوراً سر نہیں اٹھایا۔ بس انگلی ذرا سا رک گئی۔ وہ چاپ نزدیک آتی گئی، اور کچھ فاصلے پر گھاس پر کسی کے بیٹھنے کی ہلکی سی آواز آئی۔

"یہ۔" حارث کی آواز آئی۔ "۔۔۔ تو شیکسپیئر کی سانیٹس والی کتاب ہے۔ میری ہے نا؟"

مہرو کے ہاتھ سے جیسے کتاب کی گرمی نکل گئی۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ آنکھیں پھیل گئیں، چہرے پر ایک ساتھ خوف اور شرمندگی کے تاثرات نمودار ہوئے۔

"میں۔۔۔ میں نے۔۔۔ بس۔" وہ لفظ ڈھونڈنے لگی، جیسے ہر لفظ کے ساتھ اسے سزا ملنے والی ہو۔

حارث نے اس کی گھبراہٹ دیکھ کر لہجہ مزید نرم کر لیا۔ "ارے کوئی بات نہیں۔ کتاب پڑھنی ہو تو میرے کمرے سے لے لیا کرو۔ بس مجھے بتا دیا کرو، تاکہ میں ڈھونڈتا نہ رہوں۔"

مہرو نے نظریں نیچی کر لیں۔ "جی۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر حارث نے ہاتھ میں گھاس کی ایک پتلی سی تیلی توڑی، اسے گھماتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں اس میں کیا اچھا لگا؟"

مہرو نے کتاب کی طرف دیکھا۔اس کے اندر جیسے ایک دروازہ کھل گیا ہو، مگر وہ ڈرتی تھی کہ اگر اس نے دروازہ زیادہ کھول دیا تو سب کچھ باہر آجائے گا۔ پھر بھی اس نے ہمت کی۔

"سونٹ 147 ہے۔"اس نے دھیرے سے کہا۔اور پھر انگریزی میں، بہت آہستہ، جیسے خود کو سنانے کے لیے، اس نے چند سطریں پڑھیں۔

"My love is as a fever,longing still

For that which longer nurseth the disease,

Feeding on that which doth preserve the ill,

The uncertain sickly appetite to please."

اس کی آواز آخر میں ذرا سی کانپ گئی۔"اس میں۔۔۔محبت کو بخار کہا ہے۔ایسا بخار جو ٹھیک ہونے کے بجائے اسی ''چیز کو مانگتا رہتا ہے جو بیماری مزید بڑھاتی ہے۔"

حارث نے حیرت سے اسے دیکھا، پھر آہستہ سے سر ہلایا۔"یہ تو مجھے بھی بہت پسند ہے۔"پھر اردو میں ترجمہ کیا۔

"یعنی۔۔۔میری محبت بخار کی طرح ہے، جو ہر وقت کسی اور طلب میں رہتی ہے۔ جتنی دیر اسے پالتے رہو، بیماری اور بڑھتی جاتی ہے۔آدمی اسی چیز کو کھاتا پیتا رہتا ہے جو اس کی تکلیف بچائے رکھتی ہے۔بس اس بے یقین، بیمار سی چاہت کو خوش کرنے کے لیے۔"

مہرو نے سر ہلایا، مگر اس کا حلق خشک تھا۔اس نے سوچا، وہ سمجھ گیا۔وہ بھی سمجھ گیا۔اور یہی بات اسے ڈرا بھی گئی اور خوش بھی کر گئی۔

حارث نے بات بدلنے کے سے انداز میں کہا۔"تم پڑھتی رہو۔بس۔۔۔جب بھی کچھ اٹھاؤ، بتا دینا۔"

پھر وہ اٹھا، جیسے اسے صرف اتنا ہی کہنا تھا۔

مہرو اسی جگہ بیٹھی رہ گئی۔کتاب کھلی تھی، مگر اب لفظ اپنی جگہ سے ہل چکے تھے۔اس نے صفحہ پلٹا نہیں، بس انگلیاں جلد پر رکھی رکھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

اس دن کے بعد مہرو نے کتاب واپس کر دی تھی۔وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اس نے واپس کرتے وقت کتاب کے کنارے پر اپنی انگلیاں اتنی دیر کیوں رکھیں، جیسے لفظوں سے زیادہ اسے اس اجازت کی حرارت چاہیے ہو۔

شام اتر رہی تھی۔مہرو نیرہ کے لیے پانی کا جگ لینے آئی تھی، اتنا ہی کام تھا۔مگر اس کے قدم اپنی مرضی سے دوسری منزل کی سیڑھیاں چلنے لگے ہوش تب آیا جب اس نے خود کو وہاں کھڑے پایا جہاں حارث کے کمرے کا دروازہ تھا۔

دروازہ مکمل بند نہیں تھا۔شاید صفائی کے بعد صحیح سے لگ نہ سکا تھا، شاید ہوا نے دھکیل دیا تھا۔ایک باریک سی درز سے کمرے کی خاموشی جھلک رہی تھی۔مہرو نے ٹھہر کر ادھر ادھر دیکھا۔کوئی نہیں تھا۔حنا، ریحان، نہ کوئی ملازمہ۔بس دور کہیں برتنوں کی آواز۔

اس نے اندر قدم رکھ دیا۔ یہ وہی کمرہ تھا جس میں چیزیں اپنی جگہ پر رہتی تھیں۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے یوں لگا جیسے وہ کسی قانون کے اندر آ گئی ہو۔

اس کی نظر میز کے کونے پر پڑی۔ وہاں ایک چھوٹا سا نوٹ پیڈ تھا، اور اس کے اوپر حارث کا قلم۔

مہرو نے اپنی ہتھیلی کے اندر سے سانس لی۔ پھر آہستہ سے قلم کی جانب ہاتھ بڑھایا، مگر قلم نہیں اٹھایا۔ بس نوٹ پیڈ کے اوپر رکھا ہوا ایک کاغذ کا ٹکڑا دیکھا۔ شاید کوئی بے کار سا پرانا صفحہ تھا، جس پر ایک سطر لکھی تھی، آدھی کٹی ہوئی، جیسے جلدی میں لکھ کر چھوڑ دی گئی ہو۔ انگریزی کے الفاظ تھے۔

وہ پڑھ نہیں پائی۔ مگر اس نے کاغذ کو چھوا، اور اسے اپنی انگلیوں کے بیچ سے سرکنے دیا۔ کاغذ بالکل عام سا تھا، مگر مہرو کے لیے یہ عام نہیں رہا تھا۔

اس نے وہ ٹکڑا نہیں اٹھایا۔ بس اسے سیدھا کیا۔ پھر اچانک اسے لگا، جیسے سیدھا کرنا بھی ایک طرح کی ملکیت ہے۔ وہ پیچھے ہٹی۔

مہرو نے ہاتھ بڑھایا۔ بہت آہستہ، جیسے کسی بیمار کی نبض پر ہاتھ رکھا جاتا ہے۔ اس نے کاغذ کو اٹھایا، اسے سونگھا نہیں، سینے سے نہیں لگایا۔ بس اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اس کے ایک کونے پر انگلی رکھی، جیسے وہاں کسی نام کی جگہ ہو۔

پھر جیسے کوئی فیصلہ کرتے جلدی سے وہ کاغذ کا ٹکڑا اٹھا لیا۔

کچن میں جا کر۔۔۔ مہر و نے پانی کا جگ اٹھایا اور واپس چل دی، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ مگر اندر کہیں کچھ ہو چکا تھا۔ اس نے قانون توڑا نہیں تھا۔ بس سرحد کو چھوا تھا۔

اور سرحد کو ایک بار چھو لیا جائے، تو آدمی کو اندر جانے کا خیال بار بار آنے لگتا ہے۔

****

سکول کی چھٹی کے وقت گیٹ کے باہر ہمیشہ کی طرح ایک دبلا پتلا سا لڑکا موٹر سائیکل کے پاس کھڑا تھا۔ حامد۔ وہ روز اپنی ماموں زاد کزن رقیہ کو لینے آیا کرتا، کبھی بھاری بستہ اس کے ہاتھ سے لے لیتا اور کبھی دور ہی سے اشارہ کر کے اسے جلدی کرنے کو کہتا۔

اس دن دھوپ کچھ تیز تھی، مگر گیٹ کے پاس کھڑی نیم کی پرانی ٹہنیوں نے سڑک پر ہلکا سا سایہ پھیلا رکھا تھا۔ حامد نے حسبِ عادت رقیہ کو ڈھونڈا، مگر اس کی نظر یکدم ایک چھوٹے سے گروہ پر ٹھہر گئی جو ہنستے بولتے باہر نکلا تھا: رقیہ کے ساتھ دو لڑکیاں۔

ان میں سے ایک لڑکی نے جیسے ہی گیٹ کی سیڑھیاں اتریں، حامد کے قدم اپنے آپ وہیں جم گئے۔ اس کے چہرے کی صفائی اور آنکھوں کی چمک میں ایسی کشش تھی جو فوراً محسوس ہو جاتی ہے۔ گندمی رنگت پر ہلکی سی سنہری دھوپ پڑی تو رخسار نرم سے روشن لگے، اور چوٹی میں بندھے سیاہ بالوں کی لٹ ہوا کے ساتھ ذرا سا ہلی تو وہ پل بھر کو اور بھی نمایاں ہو گئی۔

رقیہ باتیں کرتی، قدم بڑھاتی حامد کے قریب آ گئی، مگر حامد کی آنکھیں اب بھی اسی لڑکی کے تعاقب میں تھیں جو اپنی سہیلی کے ساتھ سڑک کی دوسری سمت کی طرف مڑ رہی تھی۔ وہاں ایک گاڑی کھڑی تھی جو غالباً ان دونوں کو ہی لینے آئی تھی۔ رقیہ نے پہلے اسے آواز دی، پھر اس کی خاموشی اور وہی ٹکی ہوئی نگاہ دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اس کی آنکھوں میں سوال ابھرا، اور دل میں ایک بے نام سا کھٹکا بھی۔

اگلے دن بریک میں، مہرو کینٹین کے کاؤنٹر کی طرف بڑھی۔ ہجوم کم تھا مگر شور وہی معمول کا: چائے کے کپ، چھوٹے بسکٹ، میٹھے چکنے، اور لڑکیوں کی تیز آوازیں۔ مہرو نے پیسے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑے اور قطار کے کنارے کھڑی ہوئی ہی تھی کہ رقیہ نے قریب آ کر اس کے بازو کو چھوا۔

"مہرو۔۔۔ تم سے بات کرنی ہے۔" رقیہ کی آواز میں جھجھک بھی تھی اور عجلت بھرا احساس بھی۔

مہرو نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ "ابھی؟"

"ہاں، ابھی۔" رقیہ اسے کاؤنٹر سے ہٹا کر پاس کے گراؤنڈ میں لے گئی، جہاں ایک درخت کے نیچے سایہ ٹھنڈا تھا اور شور کچھ کم۔

رقیہ نے ادھر ادھر دیکھا، پھر دھیمی آواز میں بولی۔ "دیکھو، حامد میرا ماموں زاد کزن ہے۔ ہماری بچپن سے نسبت طے ہے۔ میں اسے کسی طور کھونا نہیں چاہتی۔"

مہرو کے ہونٹوں پر طنز بھری مسکراہٹ آ گئی۔ "یہ فلمی ڈائیلاگ میرے سامنے اگلنے کا مقصد بتاؤ۔"

رقیہ نے سانس کھینچا، جیسے بات کہنے میں شرم بھی آرہی ہو اور غصہ بھی۔ "وہ۔۔۔ تمہاری مالکن حنا کو پسند کرنے لگا ہے۔ کہتا ہے میرا پیغام اس تک پہنچاؤ کہ چھٹی کے وقت ایک بار مجھ سے بات تو کرے۔ بس ایک بار۔"

مہرو کے چہرے پر تناؤ آیا۔ اندر جیسے کوئی چنگاری سی بھڑکی۔ "بہت چھچھورا ہے تمہارا کزن۔۔۔ اور اس سے زیادہ بیوقوف تم ہو جو اسے سنبھال کر رکھنا چاہتی ہو۔"

رقیہ کے ماتھے پر شکن پڑی۔ "مہرو، میں بس۔۔۔"

مہرو نے بات کاٹ دی۔ "میں حنا کو بتاؤں بھی تو وہ کبھی نہیں مانے گی۔ اور سنو، آئندہ میرے راستے میں نہ آنا۔"

یہ کہہ کر مہرو نے رقیہ کو کندھے سے ہلکا سا دھکا دے کر سائیڈ پر کیا اور تیز قدموں سے واپس کینٹین کی طرف چل دی۔ رقیہ درخت کے سائے میں چند لمحے ساکت کھڑی رہی، اس کی نظر مہرو کی پشت پر جمی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

حنا اپنے کمرے میں بیڈ پر نیم دراز تھی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"آجاؤ۔" حنا نے نظریں چھت سے ہٹا کر کہا تو مہرو اندر آگئی۔ وہ معمول کے برعکس جیسے کچھ زیادہ ہی خاموش تھی، اور اس خاموشی میں کوئی اسرار سا تھا۔

حنا نے اسے دیکھ کر کروٹ بدلی۔ "کیا ہوا؟"

مہرو نے چند لمحے بات ڈھونڈی، پھر جیسے فیصلہ کر کے بولی۔ "اگر تم مجھ سے کچھ بھی مانگو، میں دینے کو تیار ہوں۔۔۔بس جو میں مانگوں اس پر انکار نہ کرنا۔"

حنا کے ماتھے پر ہلکی سی شکن ابھری۔

"تم مجھے جو بھی دو، اپنی مرضی سے دیتی ہو۔ کبھی میں نے کچھ مانگا؟"

حنا کی آواز نرم تھی۔ "نہیں۔ تم بہت خوددار ہو۔"

مہرو نے فوراً اگلا سوال اس کی سمت اچھالا۔ "کبھی تمہیں میرے خلوص میں کوئی کمی محسوس ہوئی؟"

حنا نے بے ساختہ کہا۔ "تم میری بہترین سہیلی ہو۔"

مہرو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ آئینے میں اس نے اپنا چہرہ دیکھا، پھر حنا کی طرف دیکھا جیسے تصدیق چاہتی ہو۔ "مجھ سا خوبصورت کوئی دیکھا؟"

حنا نے ذرا سا ہنس کر سر ہلا دیا۔ "نہیں۔"

"مجھ سا وعدے کا پابند کوئی ملا؟" مہرو کی آواز میں اب ضد تھی، اور کچھ ایسا بھی جسے حنا سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

حنا نے صاف جواب دیا۔ "نہیں۔"

اگلے ہی لمحے مہرو پلٹی، اور آ کر حنا کے قدموں کے پاس بیٹھ گئی۔

"حارث۔۔۔مجھے دے دو۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆

"تمہارے لیے ایک بری خبر ہے!" مہر و دھپ سے اس کے برابر آکر بیٹھی تھی، رقیہ چونک گئی۔ کچھ دیر پہلے وہ اس درخت کے سائے میں آکر بیٹھی تھی جہاں عموماً اس کی سہیلیوں کی ٹولی ساتھ ہوا کرتی۔ آج طبیعت ناساز تھی سو ٹیچر سے اجازت لے کر وہ یہاں کچھ دیر ستانے آ بیٹھی تھی۔ حیرت اسے مہر و پر ہوئی، وہ رقیہ کو ہری جھنڈی دکھا چکی تھی۔ پھر اس وقت یہاں۔۔۔؟

"آج میں نے تمہیں کہیں بھی ڈھونڈ لینا تھا خبر ہی ایسی ہے۔"

"اب پھوٹ بھی چکو۔" رقیہ چڑ سی گئی۔

"کل حنا پوچھ رہی تھی تمہارے 'کمینے' منگیتر کا۔" مہر و نے جیسے چٹخارہ بھرا۔

"تمیز سے بات کرو۔"

"سوری۔" مہر و نے ہاتھ کے پیچھے ہنسی چھپائی، کچھ دکھائی۔ "ایک سچا اور کھرا انسان، جسے تم پلو سے باندھ کر رکھنا چاہتی ہو۔"

"اب تم نے حامد کے بارے میں ایک لفظ مزید کہا تو میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔"

"حنااس کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔"مہرو نے کن اکھیوں سے اس کے بدلتے تاثرات دیکھے۔"اسے اچھالگا ہے وہ۔ کہہ رہی تھی'میری نظر پڑی تو وہ مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔ عجیب اتفاق ہے!'میں نے کہااس نے کچھ ایسا دیکھا ہو گا جو اسے اچھالگا!"

"تمہاری مجھ سے آخر دشمنی کیا ہے؟"وہ اب رخ مہرو کی جانب کیے پوچھ رہی تھی۔

"اب مجھے بھی لگتا ہے کہ مجھے تمہاری مدد کرنی چاہیے۔"

رقیہ اسے ہکا بکا دیکھے گئی۔"تم سنجیدہ ہو؟"

"تمہارے پاس تین دن ہیں سوچنے کو۔"مہرو نے اپنی تین انگلیوں کا رخ اس کی جانب کیا۔"چوتھے دن مجھے اپنا پلان بتانا، میں پورا ساتھ دوں گی۔"

"کس قسم کا پلان؟"

"حنا کو راستے سے ہٹانے کا۔"

"ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟"وہ آنکھوں میں حیرت لیے اس لڑکی کو دیکھنے لگی جو اب جانے کو تیار کھڑی تھی۔

"سب کچھ۔"مہرو کھل کر مسکرائی۔"یا یوں کہہ لو کہ۔۔۔کچھ بھی!"

کلاس روم کی جانب جاتے ہوئے اسے رقیہ پر لمحے بھر کو ترس سا آیا۔ پسند بھی کیا تو کیسے شخص کو۔

مہرو پلان بنا چکی تھی، رقیہ تو وہ مہرہ تھا جو اسے اپنی مرضی مطابق چلانا تھا۔

پلان بھی اس کا، فائدہ بھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

"میرا تو ذہن جیسے ماؤف ہو چلا ہے، کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" رقیہ بے چینی سے انگلیاں چٹخنے لگی۔ "تم کسی طرح اس کی کسی جاننے والے یا رشتہ دار سے رشتہ طے کروا دو۔"

"میں اس کی ماں نہیں ہوں۔" مہرو نے فوراً چڑ کر کہا، پھر بغور اسے دیکھا۔ "بہت خطرہ ہے چھوڑو زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا حامد اور حنا کی شادی؟ دیکھو دونوں کے نام بھی ملتے جلتے ہیں۔ تم کسی اور کزن سے شادی کر لینا۔ بدلہ برابر۔"

"بکواس بند کرو اپنی۔" رقیہ اداسی سے بولی۔ الفاظ کے برعکس لہجہ بے جان سا تھا۔

"میرے پاس آئیڈیا بہت جاندار ہے۔" مہرو نے ابرو اچکاتے ایک خاص ادا سے کہا۔ "کام میں کروں گی۔۔۔ بس تمہیں وہ چیز لانی ہو گی جو اس ساری کاروائی میں استعمال ہونی ہے۔" اس کے بعد مہرو نے اسے سرگوشیوں میں اپنا منصوبہ بتایا۔ زہر کا نام، طریقہ کار، اثرات، فوائد۔ وہ تفصیلی ہوم ورک کر کے آئی تھی۔

رقیہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

لیکن اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں کے سامنے مہرو کی کچھ دیر پہلے کی باتیں منظر بن کر ٹھہر گئیں۔

حامد اور حنا کی شادی۔

کبھی نہیں!

اس نے اپنے ہی دھیان۔۔۔ سر تیزی سے نفی میں ہلایا۔

"مجھے کل تک سوچ کر جواب دے دینا۔" مہرو اسے اچھی طرح جانتی تھی۔ اس نے کئی بار رقیہ کو دوسری لڑکیوں کو ڈراتے دھمکاتے، ستاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ واقعتاً ایک پتھر دل لڑکی تھی۔

اس کے لیے کارندے کے طور پر آئیڈیل لڑکی۔

اور کبھی جو یہ راز کھلتا تو مہرو بآسانی سارا معاملہ اس کے سر تھوپ سکتی تھی۔

حنا تو مہرو کی عزیز از جان سہیلی تھی وہ بھلا کیوں اس کی جان لیتی؟

☆☆☆☆☆☆☆

"تمہی آجکل بھائی کی چیزیں چرا رہی ہو نا؟" حنا کی آواز، انداز، اور نظر۔۔۔ سب بدلنے میں لمحہ لگا تھا۔

"حنا؟" اس کے چہرے پر شاک تھا۔

"تم جو سوچ رہی ہو وہ کبھی نہیں ہو سکتا!" حنا غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیوں؟" مہرو کو بولنے میں دقت ہونے لگی۔ اس کی آنکھیں جو منظر دیکھ رہی تھیں اس کے لیے مہرو نے انہیں تیار تو کیا ہوتا۔

"تمہارا اور بھائی کا کوئی جوڑ نہیں!" وہ پھنکاری۔ "میں ان کے لیے کوئی ان جیسی لڑکی ڈھونڈوں گی۔ ذہین، سٹائلش، جسے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے کا کوئی سلیقہ ہو۔ تم نے تو کبھی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا تک نہیں کھایا۔" آخری جملہ کہتے اس نے ایک حقارت بھری نظر اس کے وجود پر ڈالی۔

"تم مجھے اپنی بہترین دوست کہتی رہی۔" اس کی آواز رندھنے لگی۔ "یہ طبقاتی فرق تمہیں اس وقت یاد نہیں آیا؟"

"تم نے نام بھی تو کس کا لیا؟ حارث مرزا؟" طیش کے مارے حنا کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ "تم ریحان کی بات کرتی میں ہنس کر ٹال دیتی لیکن حارث بھائی؟ کوئی سکول کی دوسری لڑکی بھی یہ نام لیتی تو میں اس کا منہ نوچ لیتی!"

"ایسا کیوں؟" اب وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں مخاطب تھی۔ "اتنا تکبر، اتنا فخر ہے اپنے بھائی کی قابلیت پر؟ کسی کو اس کے برابر کا نہیں سمجھتی؟"

"مجھے لگتا ہے تم بھائی کے لیے جنونی ہو رہی ہو۔" حنا کچھ ٹھنڈی پڑی۔ "ان کی کئی چھوٹی موٹی چیزیں کھو رہی ہیں آجکل۔ نکال دو انہیں اپنے ذہن سے۔ یہ سب تمہیں لے ڈوبے گا۔"

"اگر یہ طبقاتی فرق نہ ہوتا۔۔۔" وہ اب گہری نظروں سے اسے جانچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ "میں بھی کچن کے فرش کے بجائے میز پر کھانے کی عادی ہوتی۔۔۔ تم مجھے قبول کر لیتی؟"

"نہیں۔" جواب دو ٹوک تھا، لہجہ بے لچک۔

"ایسا کیوں؟" اس نے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔

"تم ان کے لیے کسی طور آئیڈیل نہیں۔" حنا منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ مہرو نے اسے بازوؤں سے پکڑتے جارحانہ انداز میں اپنی طرف کھینچا۔

"کیوں؟" آواز بلند تھی۔ سوال سے زیادہ چیخ سے مشابہ۔

"تم بہت عجیب ہو۔" اس نے یہ بات مہرو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "تم کسی بھی فیملی سے ہوتی، میں تمہیں اپنے بھائی کے لیے کبھی نہ چنتی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

مہرو حساب کتاب کی پکی تھی۔ رقیہ نے مطلوبہ زہر بروقت فراہم کیا، اور سارا معاملہ حسبِ خواہش مہرو کے ہاتھ میں آ ٹھہرا۔

"تم یہ سب کیوں کر رہی ہو؟" رقیہ پر تجسس تھی۔

"پرانا حساب چکانا ہے۔"

مہرو اپنے کمرے میں تھی۔ کمرے کے دو سنگل پلنگوں میں سے ایک پر لیٹی ہوئی وہ چھت کو گھور رہی تھی، جیسے وہاں کوئی جواب لکھا ہو۔

سرونٹ کوارٹر کے آہنی گیٹ کی سمت سے ایک آواز اٹھی۔ ملازمہ گیٹ پر کھڑی ہو کر پکار رہی تھی۔ "مہرو!"

مہر و نے پلکیں جھپکیں، اور اگلے ہی لمحے اٹھ کر تیزی سے باہر آ گئی۔ رات کی ہوا میں نمی تھی، اور عمارت کی دیواریں چاندنی میں زیادہ خاموش لگتی تھیں۔

ملازمہ نے اس کے قریب آ کر دھیرے سے کہا۔ "حنا بی بی بلا رہی ہیں۔"

مہر و نے کوئی سوال نہیں کیا۔ بس چل پڑی۔ قدم تیز تھے، مگر چہرہ بے تاثر۔ جیسے بلانا کسی کا حق نہیں، مگر حکم پھر بھی حکم ہے۔

حنا کے کمرے کے دروازے پر آ کر وہ رک گئی۔ اندر لیمپ کی دھیمی روشنی تھی۔

پھر اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔

حنا بیڈ پر نیم دراز تھی۔ سر اسکارف میں لپٹا ہوا، چہرہ لاغر ہو چکا تھا۔ آنکھوں کے گرد تھکن کی چھایا تھی مگر مہر و کو دیکھ کر وہ مسکرا دی۔ "ڈر گئی؟"

مہر و خاموشی سے اندر آئی اور بیڈ کے کونے پر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں حنا کے چہرے پر ٹھہر کر بھی کہیں اور تھیں۔

حنا کی آواز میں کمزوری تھی مگر سوال میں کاٹ۔ "یہ سب تم نے کیا ہے نا؟"

مہر و نے جواب نہیں دیا۔ نفی نا اقرار۔ بس خاموشی - وہی جو اعتراف سے زیادہ بھاری ہوتی ہے۔

حنا نے پلکیں نیچی کیں۔ "تم نے آنا بھی چھوڑ دیا۔"

مہر و نے دھیرے سے کہا۔ "تم نے بلوایا بھی تو نہیں۔"

حنا نے سر ذرا سا ہلایا۔ "بلاتی تو آ جاتی؟"

مہرو کے ہونٹوں پر ہلکی سی تلخی ابھری۔ "ایک ملازمہ اپنی مالکن کو انکار کہاں کر سکتی ہے؟"

حنا کے چہرے پر دکھ کا سایہ اور گہرا ہو گیا۔ "اتنی اجنبیت؟"

مہرو نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ آواز میں سکون تھا، اور اسی سکون میں سفاکی۔ "اجنبیت سے زیادہ تکلیف دہ احساس ہوتا ہے دوست کا دل سے اتر جانا۔ دنیا کے سامنے تو تم اب مرو گی، لیکن میں تو اپنے دل میں تمہاری قبر پہلے سے بنا چکی۔"

حنا کی سانس اٹک سی گئی۔ "میری زندگی میں ہی قبر؟"

مہرو نے سرد لہجے میں کہا۔ "جو دل سے اتر جاتے ہیں، وہ لوگ بھی تو مر ہی جاتے ہیں۔"

وہ اٹھ کر جانے لگی تو حنا نے کمزور ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھام لی۔ گرفت کمزور تھی۔ "مجھے جب تک سمجھ آئی۔۔۔ بہت دیر ہو چکی تھی۔ ورنہ علاج سے بچ جاتی شاید۔ زہر کی طرف کسی کا دھیان ہی نہیں گیا اگر کوئی ڈاکٹر ہی سوچ لیتا تو کوئی ٹیسٹ کروا لیے جاتے۔" وہ رکی، پھر دھیرے سے بولی۔ "تم بس اتنا بتاؤ۔۔۔ تم نے یہ سب کیوں کیا؟ حارث کو پانے کے لیے؟"

مہرو نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ "نہیں۔" پھر اس کی آواز میں زہر سا گھل گیا۔ "تم نے سالوں پرانی دوستی کے تقدس کی دھجیاں اڑا دیں۔ مجھے بے مول ثابت کیا، اس لیے۔ تم نا اچھی مالکن بن پائی نا اچھی دوست۔ کوئی ایک رول ہی پورے دل سے نبھا لیتی۔"

وہ ٹھہری، پھر ٹھوس لہجے میں بولی۔ "ہاں، حارث کے لیے بھی۔"

"جانتی ہو میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتی ہوں؟" حنا کی آنکھوں میں چیلنج تھا۔ "ابھی سب کو تمہاری اصلیت بتا دوں تو۔۔۔"

"بتا دو۔ دھمکاؤ مت!" لہجے میں کرختگی تھی۔

"میں نہیں چاہتی میرے بعد تم کسی اور کو ایذاء پہنچاؤ اس لیے مجھے حارث بھائی کو بتانا ہو گا۔۔۔ باقی سب کو وہ خود ہی مطلع کر دیں گے۔"

مہرو نے اپنا ہاتھ آہستگی سے آزاد کیا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ دہلیز پر آ کر وہ پلٹی، حنا کو ایک بار دیکھا- جیسے دیکھ کر بھی کچھ نا دیکھا ہو۔

"قاتل کو ایسی ٹھوس وجوہات نہیں دینی چاہییں۔۔۔" مہرو نے کہا۔ "کہ وہ اپنے گناہ پر پل بھر کو بھی پشیمان نہ ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

حنا کی دردناک موت کے بعد عمارت میں کئی تبدیلیاں ایک ساتھ آئیں۔ ریحان نے تعلیم کے لیے برطانیہ جانے کی خواہش ظاہر کی۔ حارث چند دن بعد حسب معمول واپس گجرات یونیورسٹی چلا گیا جہاں وہ ہاسٹل میں رہائش پذیر تھا- والدین بھی شدید اذیت سے گزر رہے تھے۔ وہ یہیں تھے، انہیں یہیں رہنا تھا۔

چند ماہ بعد حنا مہرو کے خوابوں میں آنے لگی۔ وہ زیادہ کچھ نہ کہتی، بس ایک ہی سوال کرتی۔ "کیوں، مہرو؟ کوئی اور راستہ کیوں نہ ڈھونڈا؟" اور مہرو بری طرح ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتی، دل کی دھڑکن جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آنا چاہتی ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

چاندنی رات تھی۔

سنگِ سراب کے عقبی لان میں دودھیا روشنی پھیلی ہوئی تھی۔۔۔ گھاس پر چاند کا رنگ ایسے بیٹھا تھا جیسے کسی نے چاندی کی دھول چھڑک دی ہو۔ سرونٹ کوارٹر کا چھوٹا سا آہنی گیٹ- سرد، کھردرا، پرانا۔ مہرو اسی گیٹ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ سر نیچے، نظریں کہیں دور، جیسے آوازیں بھی اس تک پہنچتے تھک جاتی ہوں۔

ایسے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ مہرو نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ وہ اسے قدموں کی آہٹ سے پہچانتی تھی۔

حارث آکر اسی کے پہلو میں کھڑا ہوا، پھر دھیرے سے نیچے سرکا اور ذرا فاصلے پر آہنی گیٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے وہ خاموش رہا، جیسے اس خاموشی کے بیچ اپنے لیے الفاظ چن رہا ہو۔

"پچھلے چند ماہ۔۔۔" حارث کی آواز میں لرزش نمایاں تھی۔ "بھیانک خواب سے لگتے ہیں۔"

حارث نے اس کی طرف دیکھا۔ چاندنی میں بھی اسے مہرو کے چہرے کی اداسی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ "تم بولتی نہیں۔۔۔ تو مجھے لگتا ہے میں خود بھی رفتہ رفتہ خاموش ہوتا جا رہا ہوں۔"

مہرو نے سامنے کھڑے تاریک درختوں سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔ "خاموشی بری نہیں ہوتی۔ کبھی کبھار یہی سب سے سچا جواب ہوتی ہے۔"

حارث نے ہلکی سی سانس اندر کو کھینچی۔ "سچا جواب۔۔۔ یا سزا؟" پھر اس نے ٹھہر کر کہا۔ "تمہیں دیکھتا ہوں تو لگتا ہے جیسے تم اپنے اندر کسی چیز کو دفن کر کے بیٹھی ہو۔ اور میں۔۔۔ میں اسے کھود نہیں سکتا۔"

مہرو کے لبوں پر بس اتنا سا لرزا۔ "آپ چاہتے ہیں میں سب کچھ بتا دوں؟ میں بند کتاب سی ہوں۔" تمہیں ایسی کتاب پڑھنے کا فن بھی آ گیا؟ اس نے ایک گہری نگاہ چاندنی میں نہائے اس کے چہرے پر ڈالی، پھر فوراً ہٹا لی۔

حارث نے فوراً سر نفی میں ہلایا۔ "نہیں۔ میں بس چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ۔۔۔ اتنی تو رہو کہ تمہاری آنکھوں کا بوجھ اکیلا نہ رہے۔"

چاندنی میں دور کہیں کتے کے بھونکنے کی آواز آئی، پھر خاموشی۔ حارث نے نظریں آسمان کی طرف اٹھائیں۔ "اپنی ایک نظم سناؤں؟"

مہرو کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

وہ پوری طرح اس کی طرف مڑ گئی۔

"آپ نے کب لکھنا شروع کیا؟"

"بس کبھی کبھار۔۔۔ یونہی کچھ لکھ لیتا ہوں۔" پھر اس نے ہلکا سا گلا کھنکارا۔

"A Place No One Reaches"

You stand where no other woman arrives—
not before my eyes,
but somewhere behind the breath,
where thoughts forget their names.

I do not call you love,
yet every word I write
leans a little toward your shadow

There are doors inside me
I never meant to open—
they move only when you pass.

You are a known truth
I never dared to name,
like a lamp burning in a locked room—

both light

and a question.

If I ever lose my way,

it will be inside that quiet glow

where you stand—

silent, complete,

and impossibly mine.

وہ جگہ جہاں کوئی اور نہیں پہنچتا

تم وہاں کھڑی ہو

—جہاں کوئی دوسری عورت نہیں پہنچ سکتی

میری آنکھوں کے سامنے نہیں،

سانس کے پیچھے کہیں،

جہاں خیال اپنے نام بھول جاتے ہیں۔

میں تمہیں محبت نہیں کہتا،

مگر میرا ہر لکھا ہوا لفظ

تمہارے سائے کی طرف ذرا سا جھک جاتا ہے۔

میرے اندر کچھ دروازے ہیں

—— جنہیں میں نے کبھی کھولنا نہیں چاہا

وہ صرف تب ہلتے ہیں

جب تم قریب سے گزرتی ہو۔

تم ایک جانی پہچانی حقیقت ہو،

مگر ایسی جسے میں نے نام نہیں دیا،

کسی بند کمرے میں جلتے چراغ کی طرح

جو روشنی بھی ہے اور سوال بھی۔

اگر میں کبھی راستہ بھولوں

تو اسی مدھم روشنی میں بھولوں گا

—— جہاں تم کھڑی ہو

خاموش، مکمل،

اور ناقابلِ رسائی حد تک میری۔

وہ پلٹا نہیں، بس آواز کو چاندنی میں بہنے دیا۔

"آپ کیسے اتنا اچھا لکھ لیتے ہیں؟" وہ ابھی بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"پتہ نہیں۔۔۔یوں لگتا ہے جیسے لفظ خود چل کر آتے ہوں۔اس گھر کی خاموشی میں کوئی آواز ہے جو مجھے سنائی دیتی رہتی ہے۔" وہ رکا۔"میں جب الجھ جاتا ہوں۔۔۔تو کوئی بس سامنے موجود ہوتا ہے۔کچھ کہتا نہیں لیکن میری بے ترتیبی ٹھیک کر دیتا ہے۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"میری ترغیب شاید۔۔۔ایسے سائے سے آتی ہے جو ہمیشہ ساتھ رہا۔میں نے کبھی نام نہیں دیا اسے——بس محسوس کیا ہے۔"

"یہ نظم اس وقت سنانے کا خیال کیسے آیا؟" لہجہ بے تاثر تھا۔

حارث نے مسکرا کر بھی اداسی نہیں چھپائی۔"کیونکہ آج رات چاند خوبصورت ہے۔۔۔مگر مجھے اس کی خوبصورتی میں بھی خالی پن دکھائی دیتا ہے۔جیسے سب کچھ روشن ہو، پھر بھی کوئی چیز کم ہو۔"

مہرو کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔"آپ کو لگتا ہے کمی ہمیشہ باہر ہوتی ہے؟"

حارث نے جواب دینے سے پہلے لمحہ بھر سوچا۔"نہیں۔اکثر کمی اندر ہوتی ہے۔اور اندر کی کمی۔۔۔باہر کی چاندنی سے پوری نہیں ہوتی۔"

"پھر بھی آپ یہاں آ گئے۔"

حارث نے دھیرے سے کہا۔ "ہاں۔ کیونکہ کچھ راتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں آدمی اگر اکیلا بیٹھے تو اپنی ہی آواز سے ڈرنے لگتا ہے۔"

"اور اگر کوئی ساتھ بیٹھ جائے؟"

"تو خواب بھی کچھ کم بھیانک لگتے ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆

پھر نیرہ بیمار رہنے لگی۔ مہر واس کے حصے کے بھی کام کرنے لگی، یہاں تک کہ ایک دن آیا جب صبح مہر و کے جگانے پر بھی وہ نہ جاگی۔ نیرہ کے بعد مہر و باقاعدہ باورچن تو نہ بنی، مگر اندرونِ خانہ اس کی حیثیت محض ملازمہ کی بھی نہ رہی۔ وہ گھر کی عورتوں کی ذاتی معاون تھی—کپڑے، کمرے، دوپٹے، چھوٹے موٹے کام—اور سب سے بڑھ کر: راز سنبھالنے والی۔ ہاں، حارث اور مرزا صاحب کا ناشتہ وہی بناتی تھی۔

یوں کئی برس بیت گئے۔

ثریا بیگم کی موت کے بعد گھر تھوڑا اور خاموش ہو گیا۔

حارث نے تعلیم کے بعد باپ کے ساتھ فیکٹری میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ اب وہ مستقل طور پر عمارت میں ہی رہائش پذیر تھا۔

انہی دنوں مہرو کی ممانی اسے لینے آ گئیں، دو ماہ کے لیے۔ ماموں کی ایک ہی بیٹی تھی، اور وہ بھی مہرو کی ہم عمر؛ اس کی شادی طے پا چکی تھی۔ خالہ کو مہرو کا ساتھ بھی درکار تھا اور موجودگی بھی۔ مرزا صاحب نے بآسانی چھٹی دے دی۔ شادی سادگی سے ہونی تھی، لیکن کچھ نہ کچھ بندوبست تو ہونا ہی تھا۔ دو سے ڈھائی ماہ بیت گئے۔

جب مہرو واپس لوٹی تو سنگِ سراب اسے وہی نہ لگا۔ دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے دیواروں نے رنگ بدل لیا ہو۔ صحن میں پہلے جیسی چہل پہل نہ تھی، مگر عجیب سی ترتیب تھی؛ جیسے سب کچھ از سرِ نو سجا دیا گیا ہو۔

وہ قدم بہ قدم آگے بڑھتی گئی۔ راہداری میں نئے پردے تھے، جن کی بو تازہ تھی۔ لاؤنج کے دروازے کے پاس جو گلدان ہمیشہ خالی رہتا تھا، اس میں پھول تھے۔ حتیٰ کہ خاموشی بھی بدلی ہوئی تھی۔ پہلے یہ خاموشی سوگ کی تھی، اب اس میں کسی نئی زندگی کی سرسراہٹ شامل تھی۔

مہرو نے خود کو سنبھال کر لاؤنج کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ گھر کے افراد سے ملنے آئی تھی۔ رسماً، فرض پورا کرنے، یا شاید اپنے آپ کو یقین دلانے کہ سنگِ سراب اب بھی اس کا ہے۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اسے یوں لگا جیسے وقت ایک جھٹکے سے رک گیا ہو۔ سامنے صوفے پر حارث بیٹھا تھا۔ اور اس کے ساتھ ایک ہم عمر لڑکی۔

لڑکی نے نفیس لباس پہن رکھا تھا، رنگ ہلکا مگر بہت سلیقے سے چنا ہوا۔ زیور بھی بہت نپا تلا۔ ہاتھ خالی نہیں تھے، کان بھی، مگر کچھ بھی نمایاں نہیں لگ رہا تھا۔ جیسے زیب و زینت بھی تربیت یافتہ ہو۔

حارث نے مہرو کو دیکھتے ہی خوشی سے اٹھ کر قدم بڑھایا۔ "مہرو!" اس کی آواز میں حقیقی خوشی تھی، جیسے عمارت کی اداسی پر کسی نے ایک لمحے کو روشنی رکھ دی ہو۔

مہرو کے اندر کہیں کچھ ٹوٹا، مگر چہرہ سپاٹ رہا۔

حارث نے مسکراتے ہوئے پیچھے مڑ کر کہا۔ "یہ ناعمہ ہے۔ میری۔۔۔" وہ ایک لمحے کو رکا، پھر جیسے لفظ کو بھرپور فخر سے ادا کیا۔ "بیوی۔"

اس کے ذہن میں حنا کی آواز گونجی، وہی طنزیہ اور کڑوی۔ "تمہارا بھائی کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں۔"

ناعمہ نے مہذب سی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکایا، جیسے خیر مقدم کر رہی ہو۔ مہرو نے جواب میں کچھ کہنا چاہا، قدم آگے بڑھانے کی کوشش کی- مگر فرش اچانک دور ہونے لگا۔

اس نے حارث کے چہرے کی طرف دیکھا، وہ کتنا خوش تھا۔ پھر اس خوشی کے بیچ اسے اپنی شکست کا نقشہ دکھائی دیا۔ آنکھوں کے سامنے سیاہی پھیلی، اور اگلے ہی لمحے مہرو غشی کھا کر گر گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح کے وقت سنگِ سراب کی ڈائننگ میں دھوپ چھن کر اندر آ رہی تھی۔ کھڑکی کے پردے ہلکے سے سرک رہے تھے اور میز پر رکھے سفید کپوں میں چائے کی بھاپ ایک باریک سی لکیر کی طرح اوپر اٹھتی تھی۔

مہرو نے دونوں ہاتھوں سے ناشتے کی ٹرے سنبھالی اور آہستگی سے ڈائننگ ٹیبل کے کنارے رکھ دی۔ انڈوں کی خوشبو، پراٹھے کی گرمائش اور چائے کی مہک ایک لمحے کو سارے

کمرے پر پھیل گئی۔اس نے بغیر کسی اضافی آواز کے پلیٹیں ترتیب دیں، پھر معمول کے مطابق ایک قدم پیچھے ہٹ کر سائیڈ پر کھڑی ہو گئی، جیسے اس کی موجودگی صرف کام تک محدود ہو۔

ٹیبل پر سربراہی کرسی پر مرزا صاحب بیٹھے تھے۔سامنے ناعمہ نئی نویلی دلہن کی طرح سلیقے سے بیٹھی تھی، لباس نفیس، ہاتھوں میں نیا پن اور آنکھوں میں وہ احتیاط جو نئی جگہوں پر پہلے رشتے پڑھتی ہے۔

حارث نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے مہرو کی طرف دیکھا۔اس کی آواز روزمرہ کی سی تھی، جیسے یہ سوال اس کے دن کا لازمی حصہ ہو۔

"مہرو، میرے آج کے کپڑے پریسڈ ہیں نا؟"

مہرو نے نظر جھکائے رکھی، مگر جواب میں روانی تھی۔"وارڈروب میں لٹکے ہوئے ہیں۔"

یہ بھاری لکڑی کی بڑی الماری تھی، جس کے دو پٹّ مضبوط قبضوں پر کھلتے تھے۔اندر لوہے کی سلاخ تھی جس پر کپڑے ہینگروں میں ٹنگے رہتے، نیچے دو دراز یں، اور ایک طرف کپڑوں کے لیے چھوٹی شیلفیں۔الماری کے لکڑی کے ریشوں میں پرانا سا روغن تھا اور دروازہ کھلتے ہی ہلکی سی لکڑی کی بو آتی تھی۔

حارث نے نوالہ توڑا، پھر جیسے اچانک یاد آیا ہو۔"اچھا، میری گھڑی اور والٹ کمرے میں ہیں، یہاں لا دو۔اور جو سوٹ استری کروایا ہے اس سے میچ کرتی کوئی ٹائی بھی نکال دینا۔"

مہرو نے بس سر ہلایا اور پلٹنے ہی والی تھی کہ ناعمہ کی آواز نرم مگر معنی خیز انداز میں گونجی۔

"ایسی چیزوں کا مجھے کہہ دیا کرو نا، حارث۔ٹائی میچ کرنا تو نہایت ذاتی نوعیت کا کام ہے۔"

مہرو کے قدم ایک لمحے کو ٹھٹکے۔اس نے سر نہیں اٹھایا، مگر یہ جملہ اس کے کانوں میں جیسے دھات کی طرح ٹھنڈا اتر گیا۔ پھر بھی اس نے خاموشی اوڑھی اور چل پڑی۔

نائمہ نے بات آگے بڑھائی،اب اس کی نظر تھوڑی سی میز کے کنارے پر جمی تھی، جیسے الفاظ کو بھی سلیقے سے رکھ رہی ہو۔"اور گھڑی، والٹ وغیرہ بھی۔۔۔مہرو کی ذمہ داری بس ناشتے کی حد تک ٹھیک ہے۔"

حارث نے چائے کا کپ میز پر رکھا۔اس کے لہجے میں کوئی شرمندگی نہیں تھی، بس ایک سادہ سا یقین تھا۔

"میری چیزوں کا اسے ہی پتہ ہے۔"حارث نے کہا۔"وہ جانتی ہے کس دن میں کیسا کلر پہننا پسند کرتا ہوں۔ دھوپ ہو تو کیسا، بارش ہو تو کیسا۔یہاں تک کہ کسی کی شادی پر جانا ہو تو وہی سوٹ نکال کر دیتی ہے۔ اور۔۔۔ہماری پسند بھی ایک سی ہے۔"

یہ آخری جملہ کمرے میں کچھ دیر تک ٹھہرا رہا۔

نائمہ کے ہونٹ خود بخود بھنچ گئے۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی لکیر تھی مگر آنکھوں میں ایک خفیف سا تناؤ در آیا، جیسے کسی نے دھیرے سے اس کی نئی دلہن والی جگہ کی لکیر پر انگلی رکھ دی ہو۔

مرزا صاحب نے فوراً بات سنبھال لی۔وہ باپ تھے،اور باپ کی شفقت اکثر سچ کو نرم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

"بیٹا، یہ لوگ بچپن سے ساتھ بڑے ہوئے ہیں۔حارث اسے چھوٹی بہن سا سمجھتا ہے۔حنا کی بھی دوست تھی، اسے یہاں کی ہر چیز کا پتہ ہے۔"

مہرو دور جاتے ہوئے یہ سب سن چکی تھی۔ راہداری میں قدموں کی آواز مدھم تھی، مگر دل کے اندر کوئی چیز مسلسل کھٹک رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات سنگِ سراب پر اتر چکی تھی۔

ڈائننگ سے برتن سمیٹے جا چکے تھے۔

لاؤنج میں ٹی وی کی مدھم آواز، جیسے زندگی کا بہانہ بن رہی تھی۔

نائمہ صوفے کے ایک کونے میں بیٹھی سکرین کی طرف دیکھ رہی تھی، مگر ذہن بار بار صبح کے جملوں پر اٹک جاتا۔

"ہماری پسند بھی ایک سی ہے"۔ وہ جملہ جیسے اس کے اندر کہیں چبھ کر رہ گیا تھا۔

اسی لمحے مہرو لاؤنج کے دروازے کے پاس سے گزری۔ اس کے ہاتھ خالی تھے، چلنے میں وہی خاموشی، مگر آنکھوں میں آج ایک خاص قسم کی چمک تھی؛ وہ چمک جو کبھی کبھار کسی کے اندر فیصلہ بن کر اترتی ہے۔

وہ چلتے چلتے رکی، کلائی پر بندھی گھڑی پر ایک سرسری سی نظر ڈالی اور پھر ایسے جیسے بات یونہی نکل گئی ہو، بولی۔ "حارث صاحب نہیں آئے نا؟"

نائمہ نے فوراً چہرہ اس کی جانب پلٹا۔ "نہیں، ابھی نہیں آئے۔"

مہرو نے ہلکا سا سر ہلایا۔ "ہاں۔۔۔ شاید آج۔۔"

جملہ ادھورا رہ گیا۔ مہرو نے باقی لفظ جیسے دانستہ نگل لیے۔ اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے لاؤنج سے نکل گئی، جیسے اسے اچانک کوئی ضروری کام یاد آ گیا ہو۔

ناعمہ کے دل میں بے چینی کی لکیر کھنچ گئی۔ وہ ٹی وی بند کیے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی، پھر ایک لمحے میں فیصلہ کر کے کچن کی طرف چل پڑی۔

کچن میں صرف ایک بلب جل رہا تھا۔ چولہا بجھا ہوا، کاؤنٹر صاف۔ مہرو دروازے کے قریب ہی تھی، جیسے جانے کے لیے تیار ہو۔

"مہرو!" ناعمہ کی آواز میں اب نرمی کم اور سوال زیادہ تھا۔ "رکو۔ کیوں؟ کیا ہوا؟ تم نے۔۔۔ تم نے ابھی کہا 'شاید آج۔' بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟"

مہرو نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر وہی تذبذب تھا جو کسی بات کو چھپاتے ہوئے بھی اتنا دکھائی دے کہ سامنے والا خود ہی کھودنے لگے۔

"وہ دراصل۔۔۔" مہرو نے آہستہ سے کہا۔ "میں نے بھی صرف سن رکھا ہے۔"

ناعمہ نے گردن اکڑائی۔ "کیا سن رکھا ہے؟"

مہرو نے جیسے احتیاط سے الفاظ چنے۔ "دیکھیں، یہ رات کا وقت ہے، سب ڈنر کر کے کمروں میں جا چکے ہیں۔ میں یقین سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتی، اس لیے منہ بند رکھنا ہی بہتر ہے۔" جتانے کو ایک نظر اپنی گھڑی پر ڈالی۔ "کافی رات ہو گئی، مجھے جانا ہے۔"

"نہیں۔ تم ایسے نہیں وہ مڑی تو نائمہ نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ گرفت سخت نہیں تھی مگر بے قرار ضرور تھی۔ جا سکتیں۔ بتاؤ کیا بات ہے؟"

مہرو نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی نگاہ نیچے تھی، آواز میں بناوٹی ہچکچاہٹ۔ "ہو سکتا ہے یہ افواہ ہو۔۔۔ یہ بھی ہو سکتا ہے شادی کے بعد سب بدل گیا ہو

نائمہ کے چہرے کا رنگ بدلا۔ "صاف بتاؤ، بات ہے کیا؟"

مہرو نے دھیرے سے سانس لی، جیسے خود بھی اس بوجھ کے نیچے دب رہی ہو۔ "حارث۔۔۔ کسی کو پسند کرتے تھے۔"

نائمہ کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، مگر آنکھوں میں تیزی در آئی۔ "پسند کرتے تھے؟ کیا مطلب؟ وہ تو مجھے پسند کرتا تھا، شادی بھی کر لی۔"

مہرو نے فوراً جیسے تسلی دینے کی کوشش کی، مگر الفاظ میں زہر کی ایک باریک دھار چلتی رہی۔ "پسند تو۔۔۔ آپ کو بھی کرتے ہیں۔ لیکن وہ جو عورت ہے نا، وہ مطلقہ ہے۔ اس سے شادی نہیں کر سکتے۔ سنا ہے۔۔۔ اولاد بھی ہے اس کی۔"

نائمہ کی سانس اٹک گئی۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو؟ پسند کرتا ہے مگر شادی نہیں کر سکتا؟"

مہرو نے فوراً بات کو لپیٹنے کی کوشش کی۔ "دیکھیں، میں نے تو صرف ایک بار اسے حارث صاحب کے ساتھ قصبے میں دیکھا تھا۔ باقی سب سنی سنائی باتیں ہیں۔ کیا معلوم کچھ نہ ہو۔۔۔ مگر سنا ہے فیکٹری سے واپسی پر قصبے میں۔۔۔اس کے گھر جایا کرتے ہیں۔ راستے میں پڑتا ہے نا، اسی لیے آتے ہوئے دیر ہو جاتی ہے۔"

نائمہ کے چہرے پر غصہ بھی تھا اور خوف بھی۔ اس نے جیسے خود کو سنبھال کر کہا۔ "یہ سب۔۔۔ تمہیں کس نے بتایا؟"

مہرو نے نظریں اٹھائیں، پھر فوراً نیچی کر لیں۔ "نام لینے سے کیا فائدہ؟ میں تو بس۔۔۔ خیر خواہی میں کہہ رہی ہوں۔"

پھر وہ ایک قدم پیچھے ہٹی اور نرم لہجے میں وہ جملہ کہا جو ظاہراً تسلی تھا مگر اندر سے مزید الجھن چھوڑ جاتا۔ "آپ وہم نہ کریں۔ جو مقام آپ کا ہے۔۔۔ وہ اس کا نہیں۔"

اس نے ہاتھ چھڑا کر دروازے کی طرف رخ کیا۔ پھر جیسے کچھ سوچ کر پلٹی۔

"ایک بات پوچھوں اگر آپ برا نہ منائیں تو۔۔۔؟" نائمہ نے سر ہلاتے اجازت دی۔ "محبت کا اظہار پہلے کس نے کیا تھا آپ نے یا۔۔۔؟"

نائمہ نے جواب تو نہ دیا لیکن اس کے چہرے پر لہراتا سایہ مہرو کو بہت کچھ بتا گیا۔

نائمہ وہیں کھڑی رہ گئی، کچن کی خاموشی میں اپنے دل کی آواز سننے پر مجبور۔ باہر سنگِ سراب کی فرش پر قدموں کی ہلکی سی چاپ دور ہوتی گئی، اور نائمہ کے اندر کوئی چیز آہستہ آہستہ ٹوٹنے لگی۔

اسے وہ لمحہ یاد آیا جب اسے اپنے دل میں پہلی بار حارث کے لیے ایک انوکھا جذبہ محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں سہ پہر کی دھوپ نرم پڑ چکی تھی۔ گھاس پر پانی کے چھینٹے ابھی تک چمک رہے تھے، اور دور کہیں لڑکوں کے ہنسنے کی آوازیں ہوا میں بکھر رہی تھیں۔ حارث اور نائمہ بنچ پر ساتھ بیٹھے تھے، کتابیں گود میں رکھی ہوئی تھیں۔

حارث نے جیب سے تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا، جیسے کسی راز کو بہت احتیاط سے باہر لا رہا ہو۔ پھر اس نے ہلکا سا کھنکار کر کہا۔

"میں نے رات ایک نظم لکھی۔"

نائمہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ حارث کو جانتی تھی: کلاس میں بھی کم بولتا، بات کرتا بھی تو سیدھی، کسی نمائش کے بغیر۔ لیکن اس کے ہاتھ میں کاغذ دیکھ کر اسے پہلی بار لگا کہ اس کی خاموشی کے پیچھے کوئی اور دنیا بھی ہے۔

"رات؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔ "کب؟"

"بس، ایسے ہی۔" حارث نے نظریں کاغذ پر رکھیں۔ "نیند نہیں آ رہی تھی۔ لکھ لی۔"

نائمہ کا دل جیسے ایک لمحے کو ٹھہر سا گیا۔ اسے حارث کے چہرے پر کوئی خاص تبدیلی نظر نہ آئی۔ کوئی فخر نا بناوٹ۔ بس ایک سادگی — مگر یہی سادگی وہ چیز تھی جو اسے اندر تک چھو گئی۔

اس نے کاغذ کی طرف ہاتھ بڑھایا، مگر حارث نے خود ہی اسے ذرا سا سیدھا کیا اور پڑھنے لگا۔ اس کی آواز بہت بلند نہیں تھی، مگر لفظوں میں کوئی ایسا سچ تھا جس نے ناعمہ کی توجہ سمیٹ لی۔ وہ اسے دیکھتی رہی، اور ہر لائن کے ساتھ اس کے اندر کوئی نرم سی گرہ کھلتی چلی گئی۔

She lives alone, yet holds a world within—

Needs no one, yet leaves others incomplete.

From behind the door, her gaze begins,

And paints the whole scene with silent heat.

Her eyes don’t watch—they claim, they own,

The sky, the stone, the breath, the bone.

وہ تنہا ہے، مگر اندر جہان سمیٹے ہوئے،

بے نیازِ خلق، پر سب کو ادھورا کیے ہوئے۔

درِ نیم وا سے اٹھتی ہے اس کی نگاہ،

خاموش حدّت سے بھر دیتی ہے ہر راہ۔

آنکھیں دیکھتی نہیں—دعویٰ کرتی ہیں،

آسمان، پتھر، سانس—سب پر حق دھرتی ہیں۔

جب وہ خاموش ہوا تو نائمہ نے پلکیں جھپکیں، جیسے اپنے آپ کو واپس کھینچتے اسی بنچ پر لے آئی ہو۔

"یہ۔۔۔"اس نے اپنی آواز کو نارمل رکھنے کی کوشش کی، مگر وہ خود ہی جان گئی کہ ناکام رہی ہے۔"تمہیں لکھنے کی ترغیب کہاں سے ملی؟"

حارث نے کاغذ دوبارہ تہہ کیا۔

"کہیں سے نہیں۔بس اچانک ذہن میں آیا، لکھ لیا۔"

نائمہ نے ہنستے ہوئے سر ہلایا، مگر ہنسی میں چبھتی ہوئی حیرت بھی تھی۔

"اچانک؟"پھر اس نے ذرا رک کر، پہلی بار اپنے لفظوں میں ذرا سی شرارت شامل کی۔"تمہاری کوئی میوز ہے کیا؟"

حارث کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ سی مسکراہٹ آئی، جیسے سوال بہت معصوم ہو۔

"نہیں۔ایسا کچھ نہیں۔"اس نے کندھے اچکائے۔"سچ میں۔بس ایک نظم ہے۔"

نائمہ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔یہ جھوٹ نہیں لگ رہا تھا۔اور یہی بات اسے مزید بے چین کر گئی۔

"عجیب بات ہے۔۔۔کیونکہ یہ نظم کسی کو دیکھے بغیر نہیں لکھی جا سکتی۔"

حارث ہنس پڑا، ایک ہنسی جو اس کے چہرے کی سنجیدگی میں دراڑ ڈال گئی۔

"نہیں، نائمہ۔ایسا کچھ نہیں۔"اس نے ہنستے ہوئے بات سمیٹی۔"تم زیادہ سوچ رہی ہو۔"

"یہاں 'دروازے کی اوٹ' ہے، 'خاموش حدّت' اور ایسی آنکھیں جو دیکھتی نہیں بلکہ دعویٰ کرتی ہیں۔ یہ سب محض تصور نہیں ہوتا۔" پھر وہ کچھ اور سنجیدہ ہوئی۔ "یہ کسی ایسی لڑکی کی تصویر ہے جو خود کو پیش نہیں کرتی، مگر تمہاری توجہ کے بغیر بھی تمہیں بدل دیتی ہے۔" اکثر شاعروں کو اپنی میوز کا پتہ نہیں ہوتا، اس نے جیسے سر جھٹک کر اس سوچ سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔

اس کے اندر کہیں کچھ ہلکا سا جھنجھنا گیا۔ اس نے ابھی تک حارث کو صرف ایک ذہین، سنجیدہ سا تھی سمجھا تھا، اور اب پہلی بار اسے ایک ایسے انسان کی طرح دیکھ رہی تھی جس کے لفظ کسی اور جگہ سے آتے تھے—اور وہ جگہ عام ہر گز نہیں تھی۔

وہ خود سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکی: بھلا ہر کوئی ایسا لکھ سکتا ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆

لائبریری کے اس حصے میں خاموشی ہمیشہ کچھ زیادہ گہری محسوس ہوتی تھی۔ لکڑی کی الماریوں کے درمیان دھوپ کی باریک لکیریں یوں اتر رہی تھیں جیسے پرانی کتابوں کے صفحات سے راستہ مانگ رہی ہوں۔ ناعمہ کھڑکی کے پاس بیٹھی اسائنمنٹ کے نوٹس بنا رہی تھی جب حارث آ کر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس کے ہاتھ میں آج بھی وہی چھوٹی سی نوٹ بک تھی—نیلے کور والی، جس کے کنارے مڑ چکے تھے۔

آج پھر کچھ لکھا ہے؟" ناعمہ نے قلم گھماتے ہوئے پوچھا۔

حارث نے جواب دینے کے بجائے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ صحن میں مالی پانی دے رہا تھا۔

"کچھ چیزیں دیکھ کر خود بخود لفظ بن جاتے ہیں۔"

"کون سی چیزیں؟" وہ مسکرائی۔ "ہمیں تو کچھ خاص دکھائی نہیں دیتا۔"

حارث نے نوٹ بک کھولی۔ "سنو گی؟"

ناعمہ نے کندھے اچکائے۔ "شوق سے۔"

Some people arrive without a sound,

Like dust of moon on sleeping ground.

Not beautiful—yet strangely bright,

They change the shape of day and night.

Their silence speaks in unseen ways,

Turns ordinary into maze.

You don’t choose them—nor do they,

Yet something makes them always stay.

کچھ لوگ اترتے ہیں بنا آہٹ کے،

جیسے سوئی زمیں پر چاند کی دھول۔

حسین نہیں—— مگر انوکھے روشن،

دن بھی بدل دیں، رات کا بھی رنگ۔

ان کی خاموشی کلام کرتی ہے،

معمول کو الجھن بنا دیتی ہے۔

نہ تم انہیں چنتے ہو، نہ وہ تمہیں

پھر بھی کوئی ڈور باندھ لیتی ہے۔

حارث خاموش ہوا تو لائبریری کی گھڑی کی ٹک ٹک زیادہ اونچی سنائی دینے لگی۔

"تمہاری شاعری کسی کو 'بیان' کرنے کی کوشش کرنے میں مگن ہے۔"

حارث نے نوٹ بک بند کر دی۔ "یہ تو بس۔۔۔ دل پر اترتی ہے، کاغذ پر تو کافی بعد میں اتارتا ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆

اتوار کی دوپہر سنگِ سراب میں غیر معمولی سی خاموشی لیے ہوئے تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ڈائننگ کا کمرہ سمیٹ دیا گیا تھا، نوکر چاکر اپنے کاموں میں یہاں وہاں بکھر گئے تھے۔ گھر کے اندر وہ ٹھہرا ہوا سکوت تھا جو اکثر اتوار کی سہ پہر میں اتر آتا ہے۔

نائمہ نے کھانے کے بعد بھی چین نہ پایا۔ رات والی باتیں، مہرو کے ادھورے جملے اور حارث کی دیر سے واپسی، سب کچھ اس کے اندر ایک دھند کی طرح پھیل گیا تھا۔ وہ لاؤنج سے کمرے تک آئی تو دیکھا حارث دروازے کے قریب کھڑا تھا۔ نا ہاتھ میں کوئی اخبار، نا ہی آنکھوں میں معمول والی بے فکری۔

بس ایک سیدھا سا ٹھہراؤ۔

اسے کبھی کبھار یوں محسوس ہوتا جیسے حارث پوری طرح اس کی مٹھی میں نہیں۔ اس کے اندر کوئی گوشہ ایسا تھا جسے وہ چھو نہیں پائی تھی۔

وہاں کہیں کسی اور نے تو گھر نہیں بنالیا؟

وہ توجہ دیتا، خیال رکھتا تھا لیکن اس کی محبت میں بے قراری اور ایکسائٹمنٹ کا ایک عجیب فقدان سا تھا۔ جب نائمہ نے پہلی بار محبت کا اظہار کیا۔۔۔ تب بھی، وہ بس مسکرا دیا تھا۔

اب وہ گزری ہر بات، ہر لمحے کو نئے زاویے سے دیکھ رہی تھی۔ ایسی چھوٹی موٹی کئی باتوں اور خالی لمحات کو اس نے پہلے اپنا وہم سمجھ کر جھٹک دیا تھا۔ لیکن اب۔۔۔؟

☆☆☆☆☆☆☆

ہلکی سی دستک ہوئی۔

مہر واندر آئی تو نگاہ نیچی، قدم نپے تلے، جیسے اسے پہلے ہی معلوم ہو کہ سوال کیا ہے۔ ناعمہ بھی کمرے میں موجود تھی، پلنگ کے کنارے نہیں، ذرا فاصلے پر کرسی کے پاس کھڑی۔ وہ اس وقت ایسی عورت لگ رہی تھی جو اپنے ہی گھر میں اجنبی ہو گئی ہو۔

حارث نے مہرو کی طرف دیکھا۔ غصہ نہیں، بس ایک سیدھا سوال تھا۔ "بتاؤ، تم نے ناعمہ سے میرے بارے میں کیا کہا ہے؟"

مہرو نے فوراً سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔ "میں نے تو بس یہی کہا تھا کہ سنی سنائی باتیں ہیں۔"

حارث نے لمحہ بھر توقف کیا، پھر اسی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تم نے یہ بھی کہا کہ تم نے خود مجھے اس عورت کے ساتھ قصبے میں دیکھا ہے۔"

مہرو کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں آیا، جیسے اس نے پہلے سے ایک جواب تیار کر رکھا ہو۔ "ہاں۔ میں نے نیلم جی کے ساتھ دیکھا تھا۔"

حارث نے فوراً وضاحت دی، جیسے کسی غلط فہمی کو جڑ سے کاٹ دینا چاہتا ہو۔ "نیلم میرے دوست کی سابقہ بیوی ہے۔ قصبے میں کبھی کبھار سامنا ہو جاتا ہے۔ میں اس کے گھر تو کبھی نہیں گیا۔"

مہرو نے اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "میں نے بھی یہی کہا تھا کہ میں نے صرف دیکھا ہے یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ یہ تو نہیں کہا کہ آپ کا۔۔۔افیئر ہے۔"

حارث نے نائمہ کی طرف دیکھا۔اب بھی اس کے لہجے میں سختی نہیں تھی، مگر بات کا وزن زیادہ تھا۔"نائمہ، تمہیں تو مجھ پر یقین ہونا چاہیے۔"

نائمہ نے جواب دینے کے لیے ہونٹ کھولے، مگر لفظ جیسے حلق میں اٹک گئے۔اس کی نظر ایک لمحے کو مہرو پر گئی۔ مہرو نے فوراً نگاہ جھکالی، مگر اس جھکاؤ میں عاجزی کم اور جیت زیادہ تھی، جیسے وہ سب کچھ کہہ کر بھی بے قصور نکلنے کی مشق کر چکی ہو۔

حارث کی بات ختم ہوتے ہی مہرو نے دھیرے سے کہا۔"اگر میری کسی بات سے غلط فہمی ہوئی ہو تو۔۔۔معاف کیجیے گا۔"پھر وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر مڑ گئی۔

"مہرو!"نائمہ کے منہ سے بے اختیار نکلا، مگر وہ رکی نہیں۔

اگلی صبح مہرو حسب معمول بہت سویرے کچن میں آ گئی۔باہر صحن میں ہلکی سی دھند تھی اور چولہے کے پاس رکھے برتنوں پر رات کی ٹھنڈک ابھی تک بیٹھی ہوئی تھی۔اچانک اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔

نائمہ کچن کے دروازے میں کھڑی تھی۔بال بندھے ہوئے، چہرہ تھکا ہوا مگر آنکھیں جاگی ہوئی، تیز۔وہ چند قدم آگے آئی اور ایسے بولی جیسے فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہو۔

"آئندہ حارث کا ناشتہ میں خود بناؤں گی۔"نائمہ نے کہا۔"تم بس انکل کا بنا دیا کرنا۔"

مہرو کے ہاتھ ایک لمحے کو رک گئے۔اس کی انگلیاں پیالے کے کنارے پر بھینچ گئیں، مٹھیاں جیسے بے اختیار بند ہونے لگیں۔اس نے نظریں اٹھا کر نائمہ کو دیکھا، مگر زبان پر وہی 'جی' آنے والا تھا کہ نائمہ اس کے قریب آ گئی۔

"اور سنو۔" نائمہ نے آواز دبا کر کہا، مگر لہجے میں دھمکی صاف تھی۔ "میں تمہاری چال سمجھ چکی ہوں۔ تمہاری نظر حارث پر ہے نا۔"

مہرو کے چہرے پر ایک پل کو کچھ سخت سا ابھرا، پھر وہی پرانا ضبط واپس آ گیا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔

نائمہ نے بات جاری رکھی، اب الفاظ میں زہر بھی تھا اور اعلان بھی۔ "اب دیکھنا میں کیسے تمہیں اس گھر سے نکال باہر کرتی ہوں۔ سب سے پہلے تو میں حارث کے دل میں جو تمہارے لیے نرم گوشہ ہے نا، اور یہ خوش فہمی کہ تم بہت اچھی انسان ہو، یہ ختم کروں گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

رقیہ کی حامد سے شادی ہوئے چند سال بیت چکے تھے، مگر ان کے ہاں اب تک اولاد نہیں ہوئی تھی۔ رقیہ لمبے سجدے کرتی، اللہ سے معافیاں مانگتی، دعا کے ہر لفظ میں اپنے لیے رحم ڈھونڈتی تھی۔ مگر اس کے ہاتھوں پر ایک بے گناہ کے خون کا احساس جیسے دھلتا ہی نہیں تھا۔ اسے کہیں چین نہیں تھا۔

حامد اور وہ ایک لگی بندھی زندگی گزار رہے تھے۔ ساس اور نندیں جس دن رقیہ سے مطمئن ہوتیں تو حامد بھی ہنس کر بات کر لیتا، ورنہ دونوں کے بیچ ایک تلخ سی خاموشی ٹھہری رہتی۔

حامد کا گھر سنگِ سراب سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ قصبہ بھی دور نہیں تھا، بس وہی چند راستے، دھول، شناسا دیواریں۔ اس قربت نے رقیہ کو کبھی سکون نہیں دیا۔ اسے یوں لگتا، سنگِ سراب کی پرچھائیاں ابھی تک اس کے صحن تک کھنچی چلی آتی ہیں۔

ایک دن عصر کے وقت گیٹ کھٹکا۔ گھر کی عورتیں اندر تھیں، حامد باہر نکلا ہوا تھا۔ رقیہ نے خود آگے بڑھ کر پوچھا۔ "کون؟"

جو نام جواب میں آیا، وہ سننا نہیں چاہتی تھی۔ "مہرو۔"

رقیہ کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھولا اور مہرو کو بازو سے پکڑ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں لے گئی، جیسے اس پل مہرو کی آمد کو راز رکھنا ہی سب کچھ ہو۔

"یہاں کیوں آئی ہو؟" رقیہ کی آواز میں خوف تھا۔

مہرو نے کمرے میں نظریں دوڑائیں، پھر لاپرواہی سے بولی۔ "فکر نہ کرو۔ تمہاری جنت کو آگ لگانے نہیں آئی۔"

رقیہ کے ہونٹ کانپے۔ "کاش میں تمہارے کہنے پر نہ چلتی تو آج۔۔۔ آج میں کافی بہتر زندگی گزار رہی ہوتی۔"

مہرو کی آنکھوں میں ایک لمحے کو تھکن ابھری۔ "مجھے بھی راتوں کو نیند نہیں آتی۔ نیند کی گولیاں منگوا دو۔"

رقیہ نے اسے شک کی نظر سے دیکھا۔ "تم پھر تو کچھ نہیں کرنے والی؟"

مہرو نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ میں بات لپیٹ دی۔ "نہیں۔ اس بار نہیں۔"

رقیہ نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا کوئی کام نہیں کروں گی، مہرو۔"

مہرو نے آہستگی سے سر اٹھایا۔ "جو میرا کام نہیں کرتا، میں اس کا کام بگاڑنے میں تامل نہیں کرتی۔"

رقیہ ساکت رہ گئی۔ مہرو دو قدم اس کی جانب بڑھاتی۔۔۔ قریب آئی۔ "یاد ہے نا، حنا کی موت کا حامد پر کتنا اثر ہوا تھا؟"

رقیہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ "اس میں۔۔۔ تم نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔"

مہرو نے بے نیازی سے کندھے اچکائے، جیسے سچ اور جھوٹ دونوں اس کے لیے ایک سے ہوں۔ "ہو سکتا ہے۔ لیکن تمہارا حصہ تو تھا نا؟" اس نے رقیہ کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ "حامد کیسے معاف کرے گا؟ اور کچھ نہیں بھی تو۔۔۔ شک کا بیج تو بو سکتی ہوں۔"

رقیہ کے کانوں میں جیسے سیٹی سی بجی۔

"گولیاں مل جائیں گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

کمرہ بہت زیادہ سجا ہوا نہیں تھا۔ بس ہلکی سی ترتیب، جیسے کسی نے جان بوجھ کر شور سے بچنا چاہا ہو۔ دیوار کے ساتھ سفید اور سنہری پھولوں کی ایک باریک لڑی لٹک رہی تھی، پردوں کا رنگ مدھم موتیے جیسا تھا۔

حارث دروازہ بند کر کے کچھ لمحے وہیں کھڑا رہا۔ اسے اپنی سانسوں کی آواز ضرورت سے زیادہ سنائی دے رہی تھی۔ یہ اس کی دوسری شادی تھی، مگر دل کسی پہلی آزمائش کی طرح بے ترتیب تھا۔

آرزو پلنگ کے وسط میں بیٹھی تھی۔ سرخ جوڑے پر سنہری کام روشنی میں مدھم سا دمک رہا تھا۔ اس کا گھونگٹ چہرے پر یوں گرا ہوا تھا جیسے کسی نے ایک نازک راز پر پردہ ڈال دیا ہو۔

حارث آہستہ سے قریب آیااور بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا۔

انگلیاں ذرا کانپیں۔

پھر اس نے بہت نرمی سے گھونگٹ اٹھایا۔

ایک مانوس سا چہرہ—— وہی جو اس نے کبھی دور سے دیکھا تھا، چائے کی ٹرے رکھتے ہوئے، نگاہ جھکائے۔ مگر آج وہ منظر مختلف تھا۔ آج وہ کسی گھر کی بیٹی نہیں، اس کی بیوی تھی۔

حارث نے نظریں چرالیں۔ دل میں عجیب سا خلا جاگ اٹھا۔

اسے یوں لگا جیسے وہ کسی اور چہرے کو ڈھونڈ رہا ہو—— مگر خود بھی نہیں جانتا تھا کس کو!

خاموشی لمبی ہونے لگی تو وہ بے اختیار بولا۔ "میں نے کبھی ایک نظم لکھی تھی۔۔۔ تمہیں سناؤں؟"

آرزو نے ہلکا سا سر ہلایا۔

اور حارث کے لبوں سے وہ الفاظ پھسلنے لگے جو کسی اور کے نام تھے—— مگر وہ خود اس حقیقت سے ناواقف تھا۔

I Want to See Her in Red

I want to see her in red,

not the red of roses alone,

but the red that lives beneath the skin,

the color that remembers every heartbeat.

They say red is the language of fire,

the story of trembling hands,

of secrets that refuse to sleep,

of a love that does not ask permission.

I want to hear red speak,

from her silence, from her eyes,

from the space between two breaths

where truth forgets to hide.

Let her stand before me in red,

like a question I never asked,

like an answer I was afraid to know,

like a home I once almost remembered.

If love has a color,

let it burn softly tonight—

not to wound, not to claim,

only to be seen...

only to be felt.

میں اسے سرخ میں دیکھنا چاہتا ہوں

میں اسے سرخ میں دیکھنا چاہتا ہوں

صرف گلابوں کا سرخ نہیں،

وہ سرخ جو رگوں میں سانس لیتا ہے،

جو ہر دھڑکن کا امین ہوتا ہے۔

کہتے ہیں سرخ آگ کی زبان ہے،

لرزتے ہاتھوں کی سرگوشی،

ان رازوں کی بازگشت

جو نیند سے روٹھ جاتے ہیں۔

——میں چاہتا ہوں سرخ بولے

اس کی خاموشی سے، اس کی آنکھوں سے،

دو سانسوں کے بیچ کی اس درز سے

جہاں سچ چھپنا بھول جاتا ہے۔

——وہ میرے سامنے سرخ میں کھڑی ہو

اس سوال کی طرح جو میں نے کبھی نہ پوچھا،

اس جواب کی طرح جس سے میں ڈرتا رہا،

اس گھر کی طرح

جو یاد آتے آتے رہ گیا۔

اگر محبت کا کوئی رنگ ہے

——تو آج رات وہ آہستہ سا جل اٹھے

نہ زخم دینے کو، نہ قبضہ کرنے کو،

صرف دکھائی دینے کو

صرف محسوس ہونے کو۔

آرزو خاموش بیٹھی رہی۔

نظم ختم ہو چکی تھی مگر اس کے الفاظ ابھی تک کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے، جیسے ہوا میں تحلیل ہونے سے انکار کر رہے ہوں۔

اس نے آہستہ سے پلکیں اٹھا کر حارث کو دیکھا۔

وہ سامنے تھا، بالکل قریب—— پھر بھی کسی اور دنیا میں۔

آرزو نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"اچھی ہے۔" اس کی آواز بہت مدھم نکلی۔ "بہت۔۔۔ گہری۔"

مگر دل کے اندر کہیں ایک باریک سا کانٹا چبھ گیا۔

یہ الفاظ اس کے لیے نہیں تھے—— یہ بات کسی نے کہی نہیں، مگر فضا میں لکھی ہوئی تھی۔

اس نے گھونگٹ کی کور انگلیوں میں مروڑی۔

جیسے کسی ان دیکھے نام کو چھونے کی کوشش کر رہی ہو۔

"آپ اکثر نظمیں لکھتے ہیں؟"

سوال بہت عام تھا، مگر لہجے میں ہلکی سی لرزش چھپ نہ سکی۔

حارث نے نفی میں سر ہلایا۔

اور آرزو کو یوں لگا جیسے اس انکار کے پیچھے کوئی پوری کہانی سانس لے رہی ہو—— ایسی کہانی جس میں اس کا کردار ابھی طے ہونا باقی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ڈنر کے بعد لاؤنج کی روشنی مدھم مگر باوقار تھی۔

صوفوں کے نیم دائرے میں حارث، آرزو، ریحان اور زہرہ بیٹھے تھے۔

مہرو چائے کی ٹرے اٹھائے اندر آئی۔ اس کی چال میں ہمیشہ کی سی ٹھہری ہوئی باقاعدگی تھی۔

ریحان نے کپ اٹھاتے ہوئے بے تکلفی سے پوچھا۔"مہرو، حنا کی بیسٹ فرینڈ کون تھی؟"

مہرو نے ایک نظر اسے دیکھا پھر بولی تو لہجہ معتدل تھا۔"یہ تو۔۔۔حنا ہی بتا سکتی ہو گی۔"

ریحان کا لہجہ اسے کچھ جتاتا ہوا محسوس ہوا۔"لیکن سب سے زیادہ وقت تو تم دونوں کا ساتھ گزرتا تھا نا؟"

مہرو نے جیسے کوئی سانس اندر روکی، پھر بولی۔"آخری کچھ عرصے میں۔۔۔ایسا نہیں تھا۔"

حارث کے چہرے پر پہلی بار ایک واضح شاک کا سایہ گزرا۔ریحان نے اسی جگہ وار رکھا۔"اور ایسا کیوں ہوا؟"

مہرو کی گردن سیدھی ہوئی۔وہ پہلی بار صرف جواب دینے والی ملازمہ نہیں رہی۔"آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں، یا مجھ سے تفتیش؟"

حارث فوراً بول اٹھا۔"ریحان، تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

مہرو نے حارث کی طرف دیکھا۔وہ نظر تھوڑی دیر کو ٹھہری، پھر جیسے چھری کی دھار کی طرح ہٹ گئی۔اسی ایک لمحے میں ریحان اور زہرہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ معنی خیز، خاموش، جیسے دونوں ایک ہی چیز کو ایک ساتھ پہچان گئے ہوں۔

ریحان کے ذہن میں شام کا منظر برق کی طرح لپکا۔لان میں کرسی پر بیٹھی زہرہ کی آواز۔

"سب فیملی البمز میں مجھے ایک ہی چہرہ بار بار دکھائی دیا۔تم بہن بھائیوں کی بچپن کی تصویریں ہوں یا آرزو کی شادی۔یہاں تک کہ نائمہ کی شادی کے بعد کی تصاویر۔ہر جگہ بیک گراؤنڈ میں مہرو ہے یا گروپ فوٹو کا حصہ۔میں

سچ غلط سمت میں ڈھونڈتی رہی، وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔ ایسا انسان جو ہر دور میں اس عمارت کا حصہ بنا رہا۔ مرنے والوں کے قریب رہا۔ پھر تصدیق کے لیے سرونٹ کوارٹر گئی۔۔۔ ثبوت وہاں کی کیاری میں ملا۔ سیاہ گلاب۔"

اس وقت ریحان نے ہنستے ہوئے بات ٹال دی تھی۔ "حارث بھائی اسے تصویروں میں شامل کر لیا کرتے تھے اور بچپن کی تصویروں میں تو اس لیے بھی کہ وہ حنا کی دوست تھی۔"

اب لاؤنج میں، ریحان نے پھر سوال اٹھایا۔ "تم نے کہا، جھگڑا ہوا تھا۔"

مہرو کے ہونٹ بھینچ گئے۔ "ہاں۔ ہمارا جھگڑا ہوا تھا۔"

ریحان کی آواز میں اب کسی کھیل کی سی تیزی تھی۔ "کس نوعیت کا؟ کہیں اس جھگڑے کا موضوع حارث بھائی تو نہیں تھے؟"

حارث غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے قدم قالین پر بھی بھاری لگے۔ "یہ کیا بک رہے ہو تم؟ کون سے اندازوں کے کھیل یہاں کھیل رہے ہو؟"

ریحان نے بلاخوف اپنے بڑے بھائی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ کو چاہتی ہے۔ حنا اور ناعمہ۔۔۔ راستے میں آنے والے کانٹے تھے جنہیں اس نے دور کر دیا۔"

حارث طیش سے پھٹ پڑا۔ "دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا!"

اسی لمحے زہرہ بھی کھڑی ہو گئی۔ وہ سیدھی حارث کے سامنے آئی۔ "حارث بھائی۔۔۔ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

اس نے لائبریری والی کتاب کھولی۔ کاغذ کے کنارے پر وقت کی زردی تھی، مگر اندر لکھے چند جملے تازہ زخم کی طرح چمک رہے تھے۔ زہرہ نے کتاب حارث کے سامنے کی اور انگلی سے وہ تحریر دکھائی۔

"یہ کس کی رائٹنگ ہے؟" زہرہ نے آہستگی سے پوچھا۔ "ریحان نہیں جان سکا لیکن آپ تو پہچانتے ہوں گے۔۔۔ آخر بچپن سے جانتے ہیں اسے۔"

حارث کی نگاہ ایک لمحے کو ان سطروں پر ٹھہری، پھر وہی نظر مہرو کی جانب اٹھی۔

زہرہ نے بات مکمل کی۔ "جب آپ کی آرزو سے شادی ہوئی۔۔۔ تب یہ مہرو نے لکھا تھا۔"

"تب نہیں۔۔۔" مہرو ایک قدم آگے آئی، الفاظ روانی میں نکلے۔ "یہ تو پہلی شادی کا معلوم پڑنے پر۔۔۔"

جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اس نے فوراً ہاتھ منہ پر رکھ لیا، جیسے لفظ واپس اندر دھکیل رہی ہو۔

حارث شاک بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آرزو کا چہرہ یوں تاریک ہوا جیسے کسی نے چراغ کی لو کم کر دی ہو۔ زہرہ کی آنکھوں میں پہلی بار 'شک' کے بجائے 'یقین' اتر آیا تھا۔

زہرہ کی آواز لاؤنج کی خاموشی میں اور گہری ہو گئی۔ اس نے مہرو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور آرزو کو تم نے جان بوجھ کر شاپنگ کے دوران دکان میں اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ ہے نا؟"

مہرو کا سر جھک گیا۔ وہ حارث کی شاک بھری نظروں کا سامنا نہیں کر پا رہی تھی۔ "میں نے انہیں سیڑھیوں سے دھکا نہیں دیا تھا۔ یہ شاید اندھیرے میں توازن قائم نہیں رکھ سکیں۔"

"سیاہ گلاب، آئینے پر کراس، اور کترے ہوئے کپڑے۔۔۔سب تمہاری کارستانی تھی نا؟" زہرہ نے معتدل لہجے میں پوچھا۔ مہرو نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ "پائل کی جھنکار اور وہ موم بتی والی حرکت، یہ سب تم نے کیسے کیا؟"

"کچن کا پچھلا دروازہ کھلا چھوڑ دیا کرتی تھی۔" اب وہ براہِ راست حارث کی جانب دیکھتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"میری دفعہ، جب تم سیڑھیوں سے اوپر جایا کرتی تھی۔۔۔وہاں کیسے غائب ہو جاتی تھی؟"

"گیسٹ روم سے منسلک واش روم میں۔" وہ بلا ہچکچاہٹ بولی۔ "کچھ دیر بعد خاموشی سے میں نیچے کچن میں جاتی اور پچھلے دروازے سے نکل جایا کرتی۔ جانتی تھی کسی نے دیکھ بھی لیا تو کام کا بہانہ بنایا جا سکتا ہے۔"

"لیکن۔۔۔میرے ساتھ یہ سب کیوں؟" زہرہ دل کی بات لبوں تک لے آئی۔

"میں چاہتی تھی تم خوفزدہ ہو کر یہاں سے چلی جاؤ۔" مہرو کی آنکھوں میں سختی دَر آئی۔ "تم کچھ زیادہ ہی پر تجسس تھی۔ مجھے لگا تم سچ معلوم کر کے ہی رہو گی۔"

ریحان نے ایک لمحہ حارث کو دیکھا، پھر زہرہ سے کہا۔ "تم اور آرزو۔۔۔اسے حارث والے کمرے میں لے جا کر لاک کر آؤ۔ ہم یہاں بیٹھ کر آگے کا سوچتے ہیں۔ کوئی حتمی فیصلہ کرنا ہو گا۔"

آرزو کے چہرے پر جھجھک اور خوف کی ملی جلی تہہ نمودار ہوئی، مگر اس نے سر ہلا دیا۔ زہرہ نے مہرو کی جانب قدم بڑھایا۔ مہرو نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

کچھ دیر بعد آرزو اور زہرہ واپس آئیں۔ ریحان نے سیدھا سوال کیا۔ "تو پھر بھائی۔۔۔کیا کہتے ہیں؟ پولیس کو فون میں کروں، یا آپ خود کریں گے؟"

حارث نے لینڈ لائن کی طرف ایک نظر ڈالی، پھر نظریں واپس ریحان پر جما دیں۔

"کوئی بھی پولیس کو کچھ نہیں بتائے گا۔"

ریحان نے بھنویں چڑھائیں۔ حارث نے لفظ چنے۔ "اسے نفسیاتی علاج کی ضرورت ہے۔"

آرزو کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "حارث۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

حارث بولا تو انداز دوٹوک تھا۔ "میں حنا کو نہیں بچا سکا۔۔۔ مہرو کو بچانا چاہتا ہوں۔"

ریحان طیش سے بولا۔ "آپ اپنی بیوی اور بہن کی قاتل کو معاف کر دیں گے؟"

حارث نے ایک لمحہ بھی نہیں لگایا۔ "ہاں۔"

ریحان جیسے وہیں رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں صدمہ تھا، اور اس صدمے کے پیچھے غصہ۔ زہرہ کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

حارث نے بات آگے بڑھائی۔ "تم لوگ جس جنون کا ذمہ دار اسے ٹھہرا رہے ہو۔۔۔ اسے انجانے میں ہی سہی، میں نے ہی ہوا دی ہے۔ میں نے اسے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ میں نے۔۔۔"

ریحان دو قدم بھائی کی جانب بڑھا۔ "اوہ پلیز! یہ گلٹ محسوس کرنے کا کون سا وقت ہے؟"

"تم لوگوں میں سے کسی نے بھی پولیس کا نام لیا تو۔۔۔ ایک جنگ اس سے پہلے مجھے سے لڑنا ہو گی۔"

آرزو کی آواز لرز گئی۔ "یہ چل کیا رہا ہے آپ کے دل میں۔۔۔اس کے لیے؟" پھر غصے سے انگلی اٹھاتے خبر دار کیا۔ "میں اسے ایک لمحہ بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گی۔"

حارث نے گہرا سانس لیا۔ "کوئی رومانوی محبت نہیں۔ صرف انسانیت کا رشتہ ہے۔احساس ہے مجھے۔۔۔اس کا۔"

وہ چند قدم آگے بڑھا، کھڑکی کے پاس رکا جہاں شیشے کے پار اندھیرا تھا۔

"تم لوگوں نے وہ زندگی نہیں گزاری جو اس نے گزاری ہے۔مجھے اور حنا کو اس نے اپنی کل کائنات سمجھ لیا۔اس ''عمارت سے باہر کی دنیا تک۔۔۔سوچ ہی نہیں گئی اس کی۔"

اس نے پلٹ کر کہا۔ "اب وہ یہاں کبھی نہیں آئے گی۔" ایک جتاتی ہوئی نگاہ آرزو پر ڈالی۔ "اس لیے نہیں کہ تم لوگ ایسا چاہتے ہو، بلکہ اس لیے کہ۔۔۔یہی اس کے حق میں بہتر رہے گا۔"

ریحان نے جیسے خود کو سنبھال کر سوال کیا۔ "اگر وہ کبھی نارمل نہ ہو پائی تو؟"

حارث کی آواز میں اٹل فیصلے کی گونج تھی۔ "اس صورت میں اس کا علاج چلتا رہے گا۔میں چاہتا ہوں اسے ایک نئے آغاز کا موقع ملے۔ایک نئی زندگی کی ابتدا کرے۔یہاں سے دور جائے گی۔۔۔تو سب سمجھ آنے لگے گا اسے۔"

زہرہ اور ریحان نے ایک دوسرے کو دیکھا۔اس نظر میں اس بار معنی خیز اشارہ نہیں تھا، ایک بے یقینی تھی جو سنگِ سراب کی دیواروں کی طرح بھاری تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک سرد مگر صاف صبح، مہرو کمرے کی لاہور کے فاؤنٹین ہاؤس کا ایک نجی طرز کا نفسیاتی ری ہیب سینٹر تھا۔ کھڑکی کے سامنے بیٹھی تھی۔ گجرات سے چند گھنٹوں کی مسافت پر

افق پر سورج ابھی پوری طرح نکلا نہیں تھا، بس گلابی اور سنہری روشنی کی ایک ہلکی سی لکیر تھی جو آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔ شیشے کے پار باغ کی گھاس پر شبنم چمک رہی تھی، اور دور درختوں کی شاخیں ایسے لگ رہی تھیں جیسے روشنی کے ہاتھوں میں دھیرے دھیرے جاگ رہی ہوں۔

مہرو ساکت تھی۔

پھر اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے حنا کا چہرہ لہرایا۔

"یوں خود کو برباد مت کرو۔"

مہرو کے اندر کوئی چیز شدت سے ہلی۔

ایک اور یاد، جیسے کسی پرانی کتاب میں دبے پھول کی خوشبو۔ "دوست غلط کام سے روکتا ہے۔ وہ ہاتھ تھام کر کہتا ہے یہ راستہ نہیں، ضد ہے۔"

پھر ماں کی آواز، برسوں پرانی مگر حیرت انگیز طور پر صاف۔ "دوست سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ وہ دل بھی دُکھاتا ہے۔ اسے چھوڑا تو جا سکتا ہے، مگر نقصان۔۔۔ نہیں۔ کبھی نہیں۔"

اس کے بعد حارث کے الفاظ، جو اس رات لاؤنج میں گونجتے رہے تھے، اس نے بند دروازے کے پیچھے سے بھی سب صاف سن لیا تھا۔

"کوئی رومانوی محبت نہیں۔ صرف انسانیت کا رشتہ ہے۔ احساس ہے مجھے۔۔۔ اس کا۔"

مہرو نے پل بھر کو آنکھیں بند کیں تو اسے وہ راستہ یاد آ گیا جو عمارت سے یہاں تک آیا تھا۔ گاڑی کے اندر، سنگِ سراب کی دیواریں پیچھے رہتی جا رہی تھیں اور حارث کی آواز پہلی بار اس پر تھکن اور افسوس کی طرح اتری تھی۔

"تم میں بہت پوٹینشل تھا، مہرو۔ مجھے بہت دکھ ہوا تھا جب حنا کی موت کے بعد تم نے اسکول جانا ترک کر دیا۔ تم تعلیم تو مکمل کرتی۔"

مہرو نے اس وقت حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔ یہی وہ آدمی تھا جس کے دو عزیز رشتے مہرو نے چھین لیے تھے، پھر بھی اس کی آواز میں انتقام نہیں تھا۔ اسی طرح معاف کیا جاتا ہے؟ ایک معافی۔۔۔ جو کسی کے لیے ایک نئی زندگی کی نوید بن جایا کرتی ہے۔

کھڑکی کے سامنے بیٹھے، اس کے آنسو ٹوٹ کر گرے۔ ایک، پھر دوسرا۔ جیسے کئی برسوں کی سختی میں کہیں باریک سی دراڑ پڑ گئی ہو۔

اس نے جلدی سے آنسو پونچھے، جیسے کسی سے چھپا رہی ہو، حالانکہ کمرے میں اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔ پھر اس نے سامنے دیکھا۔ سورج کی شعاعیں تیزی سے پھیل رہی تھیں۔ اندھیرا مکمل طور پر چھٹ چکا تھا۔ کہیں بھی دھند نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

شام سنگِ سراب کے لان پر اتر رہی تھی۔

مالی کیاریوں کو پانی دے کر جا چکا تھا اور گیلی مٹی کی خوشبو ہلکی ٹھنڈی ہوا میں گھل سی گئی تھی۔

آرزو اب چلنے لگی تھی—محتاط قدم، مگر پہلی سی بے بسی نہیں تھی۔ وہ زہرہ کے ساتھ چلتی ہوئی لان میں آئی اور دونوں ویکر کی کرسیوں پر بیٹھ گئیں جہاں ملازمہ پہلے ہی شام کی چائے رکھ چکی تھی۔

آج ریحان نے سفید ٹو پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ اسے گجرات کی ایک ڈویلپمنٹ کنسلٹنسی میں پالیسی اینالسٹ کی جاب مل گئی تھی، اور ساتھ ہی وہ ایک چھوٹا سا سوشل انٹرپرائز شروع کر رہا تھا مقامی نوجوانوں کی اسکل ٹریننگ سے متعلق جس میں حارث قدم قدم پر اس کی رہنمائی کر رہا تھا۔

وہ لان میں داخل ہوا تو نظریں سیدھی زہرہ پر جا ٹھہریں۔

"لگتا ہے آج چائے نے خود ہی محفل سجالی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کرسی کھینچی۔

زہرہ نے ہلکا سا کندھا اچکایا۔ "محفل نہیں، صرف وقفہ ہے۔"

ریحان نے کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "خاموشیاں اگر اچھی سنگت میں ہوں تو خود بخود بولنے لگتی ہیں۔"

چند لمحے ہلکی پھلکی باتیں چلتی رہیں۔ پرندوں کی واپسی کا شور، اور عمارت کی مانوس خاموشی—سب کچھ معمول کے مطابق لگ رہا تھا۔

پھر آرزو نے جیسے دل کی بات زبان پر رکھ دی۔

"اچھا زہرہ، اب تم گھر بھی جاؤ۔ کب تک جانے کا ارادہ ہے؟"

زہرہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "تم مجھے یہاں سے جانے کو کہہ رہی ہو؟"

اس سے پہلے کہ آرزو کچھ کہتی، ریحان مسکرا دیا۔ "نہیں، دراصل بات یہ ہے کہ تم جاؤ گی تو ہم آئیں گے نا۔"

زہرہ نے آنکھیں سکیڑیں۔ "مطلب؟"

آرزو نے شرارت سے کہا۔ "مطلب یہ کہ تمہارے گھر باقاعدہ دستک دے کر۔"

ریحان نے ذرا سنبھل کر، مگر نرم لہجے میں اضافہ کیا۔ "ہم نہایت مہذب انداز میں۔۔۔ تمہارا رشتہ مانگنے آئیں گے۔"

زہرہ کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی۔ "تم دونوں نے تو میرے بغیر ہی منصوبہ بنا لیا۔"

ریحان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "منصوبے تو میں آفس میں بناتا ہوں۔ دل کے معاملات خود اپنا راستہ بنا لیتے ہیں۔"

کچھ دیر ہوا میں صرف چائے کی خوشبو اور شام کا سنہرا سکون تیرتا رہا۔ پھر زہرہ نے آہستہ سے پوچھا۔ "تم واقعی پاکستان میں رہنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ واپس نہیں جاؤ گے؟"

"اگر وہیں رہنا ہوتا تو یہاں آتا ہی کیوں؟" ریحان نے کپ میز پر رکھا اور سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔ "جس جگہ انسان کو اپنی وجہ مل جائے، وہاں سے واپسی مشکل ہو جاتی ہے۔"

آرزو نے شرارت سے دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں ڈھک لیں۔ "اتنا سمجھدار ریحان۔۔۔ دیکھا نہیں جا رہا۔"

تینوں ہنس پڑے۔ لان میں پھیلی شام پہلی بار سنگِ سراب پر بوجھ نہیں لگ رہی تھی—جیسے برسوں بعد یہاں زندگی نے پھر سے سانس لی ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

آرزو نے حارث کے معمولات اور رویے میں واضح تبدیلی محسوس کی۔

وہ دیر سے گھر آتا، اس کی آنکھوں میں اداسی کے سائے چھائے رہتے، لباس میں بھی وہ پہلی سی ترتیب نہیں رہی تھی۔ بات کرتے اچانک خاموش ہو جاتا۔۔۔ حالانکہ وہ شروع سے کم گو تھا، مگر اب اس خاموشی میں اجنبیت سی گھل گئی تھی۔

وہ لائبریری میں بیٹھا صوفے سے ٹیک لگائے، سامنے شیلف پر نظریں جمائے، جانے کن سوچوں میں گم تھا۔ آرزو نے کافی میز پر رکھی اور اسی صوفے پر ذرا فاصلے پر بیٹھ گئی کہ اس کے چہرے کو پڑھ سکے۔

"حارث؟"

اس نے چونک کر اسے دیکھا جیسے ابھی تک اس کی آمد سے بے خبر رہا ہو۔۔۔ یا یہ اتنی اہم بات ہی نہ ہو۔

"آپ بہت خاموش رہنے لگے ہیں۔ کھوئے ہوئے سے۔ سب ٹھیک تو ہے نا؟" جواب میں وہ اسے خالی نظروں سے دیکھے گیا۔

حارث کی آنکھوں کے آگے پرانے کچھ مناظر لہرائے۔

مہرو کو حارث نے ہمیشہ سادہ لباس میں ہی دیکھا تھا۔ گھر میں کوئی تقریب ہوتی یا انہیں گھر سے باہر کسی دعوت میں جانا ہوتا۔۔۔ دونوں صورتوں میں اس نے ویسے ہی کپڑے پہنے ہوتے جیسے وہ گھر میں پہنے رکھتی تھی۔ ایک بار جب گھر والوں نے ایک ایسی تقریب منعقد کرنے کی ٹھانی جس میں قریبی رشتہ دار اور جاننے والوں کو دعوت دینی تھی۔۔۔ حارث نے شاپنگ کروانے کی غرض سے حنا اور ریحان کے ساتھ مہرو کو بھی شہر لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حنا نے اپنے لیے جوڑا پسند کیا تو حارث نے مہرو سے بھی کہا۔ "اپنی پسند سے کچھ لو۔ آج تم یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جاؤ گی۔"

مہرو نے ایک میرون جوڑا چنا۔ وہ بہت خوبصورت فینسی لباس تھا۔

اس کے بعد ہر تقریب پر حارث نے مہرو کو اسی جوڑے میں دیکھا۔

جب ایسا کئی بار ہو چکا تو پھر ایک بار بہانے سے حارث نے اسے نیا جوڑا دلوانے کی ٹھانی۔

اس بار بھی مہرو نے میرون رنگ کا لباس پسند کیا۔

"Maroon it is!"

حارث اسے دیکھ کر مسکرایا، وہ بھی جواباً مسکرا دی۔

"میں نے نوٹ کیا ہے آپ کو مجھ پر میرون رنگ اچھا لگتا ہے۔" سماعتوں سے آرزو کی آواز ٹکرائی۔

"سب کے سامنے گھورتے ہیں۔"

وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا جبکہ۔۔۔ذہن کے پردے پر میرون لباس پر ہاتھ پھیرتی مہرو کھڑی تھی۔

"اس نے کبھی اپنا رنگ نہیں بدلا! میں نے کبھی اصرار بھی نہیں کیا۔" بولا تو آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہ تھی۔"اور شاید میں نے بھی دل میں اس کے سوا کوئی رنگ بسنے ہی نہیں دیا۔میں لوگوں کے ساتھ رہا۔۔۔مگر کہیں ٹھہرا نہیں۔"

"حارث؟" وہ اب اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی اور یہ ایک بیوی کی نظر تھی۔"آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟"

"یہ بہت چھوٹا لفظ ہے اس تعلق کے لیے جو ہمارے بیچ رہا۔" اس نے آرزو کے چہرے سے نظریں ہٹاتے ایک بار پھر سامنے شیلف میں لگی بوسیدہ کتابوں کو دیکھا۔"میں نے آنکھ کھول کر جس لڑکی کو دیکھا، وہ مہرو تھی۔میری پہلی یادوں میں بھی وہی ہے، اور اب آخری خاموشیوں میں بھی۔"

"شاید یہ بہت بڑی تبدیلی ہے جسے آپ قبول نہیں کر پا رہے؟" وہ اس لمحے اپنی ہر اس سوچ کی نفی کرنا چاہتی تھی جس نے شادی کی رات سے لے کر اب تک اسے احساس دلایا کہ۔۔۔حارث کی ذات کا کوئی حصہ کچھ غیر حاضر سا رہتا ہے۔وہ کبھی اس سے پوری طرح جڑ نہیں پایا۔ان کے مابین حارث کی جانب سے جذباتی وابستگی میں ایک کمی سی رہی ہے۔'کیا یہ حصہ وہ کسی اور کو دان کر چکا ہے؟' وہ سر جھٹک کر اسے اپنا وہم گردانتی رہی۔

"کئی بار اپنی کسی ضرورت کے لیے اسے پکارتے ہوئے ٹھہر سا جاتا ہوں۔ اپنے ارد گرد دیکھتا ہوں تو وہ کہیں دکھائی نہیں دیتی۔" لمحہ بھر کو اس کی آنکھیں چمکیں۔ آرزو نے ان میں پانی ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ لیکن نہیں۔ شاید یہ نظر کا دھوکا تھا۔

آرزو خاموش رہی۔ یہ سوال اس کے لیے نہیں تھا۔

"میں اسے دوسروں کی نظروں میں نمایاں کرنا چاہتا تھا۔۔۔ جو کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔" اس نے آنکھیں بند کیں۔ "میں چاہتا تھا لوگ اسے اہمیت دیں۔"

آرزو کا ماتھا پر شکن ہوا۔

"میرے لیے اسے معاف کرنا اتنا آسان کیوں تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ مجھے لگا وہ ہمیشہ یہیں رہے گی؟ مجھے اسے زندگی میں شامل کرنے کی کبھی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی۔۔۔ کیونکہ وہ ہمیشہ سے میری زندگی کا حصہ بنی رہی تھی؟ اور اب۔۔۔ وہ نہیں ہے تو سب بے معنی سا لگتا ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سامنے شیلف کے پاس گیا وہاں سے ایک کتاب اٹھائی اور ورق پلٹانے لگا۔ یہ ناول اس نے پڑھ رکھا تھا۔ واپس شیلف میں رکھ دیا۔ صوفے کی طرف آیا اور دوبارہ اپنی پرانی جگہ پر بیٹھ گیا۔ "آرزو؟"

"ہاں؟"

"وہ نہیں ہے تو کچھ بھی 'نارمل' نہیں ہے میرے لیے۔ ایک عجیب ادھورا پن ہے۔ مجھے لگتا ہے میں کبھی لکھ نہیں پاؤں گا۔" وہ ایک بار پھر اٹھا اور سامنے کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اب وہ باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔

آرزو ہکا بکا اسے دیکھے گئی۔

آرزو کے پاس جواب میں کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

"مجھے زندگی میں ترتیب چاہیے تھی یا کنٹرول؟ مجھے اب لگنے لگا ہے کہ میں سب کی توقعات پر پورا اترنا چاہتا تھا۔اسی لیے میں نے اپنے شعور کو کبھی اس سمت جانے ہی نہیں دیا جہاں میں پہلے سے موجود تھا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ایک سال بعد

لائبریری میں شام کی روشنی مدھم پڑ چکی تھی۔
اونچی کھڑکیوں کے شیشوں پر سنہرا رنگ پگھل رہا تھا اور کتابوں کی الماریوں کے بیچ ایک ہلکی سی اداسی تیرتی پھر رہی تھی۔حارث حسبِ عادت وہیں صوفے پر بیٹھا تھا—وہی پرانا صوفہ جس نے اس کی کتنی ہی بے آواز شامیں سمیٹی تھیں۔

سامنے میز پر اس کی آدھی پڑھی ہوئی کتاب کھلی پڑی تھی، مگر نظریں لفظوں پر نہیں ٹھہرتی تھیں۔
ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا—اس جگہ جہاں یادیں دلیل نہیں مانتیں۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

ایک ملازمہ اندر آئی۔اس کے ہاتھ میں سفید لفافہ تھا۔

"صاحب، یہ آپ کے نام آیا ہے۔"

حارث نے بے دھیانی میں ہاتھ بڑھایا، مگر لفافہ انگلیوں کے بیچ آتے ہی اس کے اندر کچھ ٹھہر سا گیا۔

—— نگاہ سیدھی پتے پر پڑی۔

وہ لکھائی۔

دل نے ایک بے ترتیب سی دھڑکن لی۔

یہ لکھائی وہ ہزاروں لفظوں کے ہجوم میں بھی پہچان سکتا تھا۔

کاغذ پر جھکی ہوئی، ذرا سی دائیں طرف مائل، جیسے ہر حرف بولتے بولتے رُک گیا ہو۔

مہرو کی لکھائی۔

ملازمہ جا چکی تھی، مگر وہ دیر تک وہیں بیٹھا رہا۔

لفافہ دونوں ہاتھوں میں پکڑے، جیسے کوئی زندہ چیز ہو جو ذرا زور لگانے سے ٹوٹ جائے گی۔

کمرہ اچانک بہت خاموش ہو گیا تھا۔

اتنا خاموش کہ اسے اپنی سانس بھی اجنبی لگنے لگی۔

اس نے لفافے کے کنارے پر انگلی پھیری۔

عجیب سی گھبراہٹ نے دل کو جکڑ لیا۔

حارث نے گہری سانس لی۔

کھڑکی کے پار شام اب پوری طرح ڈوب رہی تھی۔

اس نے لفافہ پلٹایا۔

انگلیاں کنارے تک گئیں——اور وہیں ٹھہر گئیں۔

وہ جانتا تھا،

——اس کاغذ کے اندر صرف لفظ نہیں،

اس کی ساری زندگی بند تھی۔

حارث نے آہستہ سے لفافہ کھولنے کے لیے انگلی آگے بڑھائی۔۔۔

اور منظر وہیں ٹھہر گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆